ماہنامہ

پیام عرفات

رائے بریلی

صحبت نبوی ﷺ کی تاثیر

”دوست دشمن سب تسلیم کرتے ہیں کہ آپ ﷺ کی صحبت میں پارس کی تاثیر تھی، جس کو میسر آئی وہ کندن نہیں بلکہ خود پارس بن گیا، بہائم انسان بن گئے اور انسان فرشتے، ان کی اعتقادی، اخلاقی، روحانی تربیت اتنی اعلیٰ اور مکمل ہوئی جس سے زیادہ تصور میں نہیں آسکتی، جو آپ ﷺ کے پاس بیٹھا، آپ ﷺ کے رنگ میں رنگ گیا، شریعت کے سانچے میں ڈھل گیا، اتباعِ شریعت بلا ارادہ ہونے لگا، طاعات آسان اور طبعاً مرغوب ہوگئیں، معاصی مکروہ اور طبعاً مبغوض ہوگئے، یہاں تک کہ امت کا صحابہ رضی اللہ عنہم کے متعلق عقیدہ ہے کہ وہ سب کے سب عادل ہیں اور ادنیٰ صحابی رضی اللہ عنہ بھی بعد کے بڑے سے بڑے ولی اللہ سے افضل ہے۔“ (رہبر انسانیت: ۴۲۱)

مرشد الامت حضرت مولانا سید محمد رابع حسنی ندوی رحمۃ اللہ علیہ

مرکز الإمام أبی الحسن الندوي

دارعرفات، تکیہ کلاں، رائے بریلی

Sept 2025

نبوت کی غرض وغایت

سید الطائفہ علامہ سید سلیمان ندویؒ

''بے ارادہ دنیا کی میزان کا نام ''قانون فطرت'' ہے اور بالا رادہ دنیا کی میزان کا نام ''قانون شریعت'' ہے، بے ارادہ دنیا کا نظام عدل اسی خدائی میزان فطرت سے چل رہا ہے، اگر اس میزان میں ایک ذرہ بھی کمی بیشی ہو جائے تو عالم کا نظام درہم برہم ہو جائے، اسی طرح انسانی دنیا کی سکینت، طمانینت اور امن وامان کا نظام اسی میزان شریعت کے ذریعہ قائم ہو سکتا ہے، اگر یہ نہ ہو تو اس کا نظام درہم برہم ہونا بھی لازمی ہے۔ فرمایا:

﴿لَقَدْ أَرْسَلْنَا رُسُلَنَا بِالْبَيِّنَاتِ وَأَنزَلْنَا مَعَهُمُ الْكِتَابَ وَالْمِيزَانَ لِيَقُومَ النَّاسُ بِالْقِسْطِ﴾ (الحدید: ۲۵)

(ہم نے بے شبہ اپنے پیغمبروں کو کھلی دلیلیں دے کر بھیجا اور ان کے ساتھ کتاب اور میزان اتاری تا کہ لوگ عدل کو قائم کریں)

انبیاء کی بعثت کی یہ غرض وغایت کہ لوگ شریعت کی میزان کے مطابق عدل اور توازن قائم رکھیں، اس موجودہ دنیا ہی کے نظام کی امن وسلامتی کے لیے ہے، آج یورپ کے اتحاد کی گونج نے دنیا کے گوشہ گوشہ کو پُر شور بنا دیا ہے، آج رسولوں کی اہمیت اور ان کی تعلیمات کی ضرورت پر شکوک وشبہات کی ژالہ باری ہو رہی ہے لیکن وہمی وخیالی مباحث سے قطع نظر کر کے عملی حیثیت سے دنیا کی ایک ایک اقلیم اور ایک ایک آبادی کا جائزہ لو، آج جہاں کہیں بھی سچائی کی کوئی روشنی اور حقیقت کی کوئی کرن چمکتی ہے، وہ اسی مطلع خورشید سے چھن کر نکلی ہے، کوئی دین دار ہو یا ملحد، خوش عقیدہ ہو یا بے عقیدہ، یونان کا حکیم ہو یا افریقہ کا جاہل، یورپ کا متمدن ہو یا صحارئ کا وحشی، رومی ہو یا زنگی، عیسوی ہو یا موسوی، بت پرست ہو یا موحد، مجوسی ہو یا ہندو، مسلم ہو یا غیر مسلم، شہری ہو یا دیہاتی، ہمالیہ کی چوٹی پر آباد ہو یا زمین کی گہرائی میں، کہیں بھی ہو، کوئی بھی ہو، اگر وہ اللہ کے نام کی عظمت سے واقف ہے اور نیکی اور بدی کی تمیز سے آشنا ہے تو وہ خدائی رسولوں اور ربانی پیغمبروں کے علاوہ کس معلم کی کوششوں کا ممنون ہے؟ آج جہاں بھی عدل ومیزان کا وجود ہے، وہ کسی یونانی حکیم، یا یورپین فلاسفر کی تعلیم وتصنیف وتقریر وخطبہ کا اثر نہیں ہے بلکہ طبقہ انبیاء ہی کے بے واسطہ یا بواسطہ تعلیمات کا نتیجہ ہے، آج دنیا کے گوشے گوشے میں کیسے ہی بدترین مبلغ سہی مگر نیکی، عدل، احسان، ہمدردی، نیکوکاری، حسن خلق کی تعلیم، تبلیغ اور دعوت ان ہی کی زبانوں سے ہو رہی ہے جو رسول کے پیرو اور پیغمبروں کے تابع ہیں، جو عقیدہ کے ملحد ہیں ان کو بھی نیکوکاری ان ہی پیغمبروں کے نادانستہ فیضان تعلیم کا نتیجہ ہے، اس بنا پر جو لوگ ذہنی طور سے پیغمبروں کے منکر ہیں، وہ بھی عملی طور سے ان کی تعلیم کے مقر اور معترف ہیں، اسی لیے انبیاء علیہم السلام کا وجود تمام دنیا کے لیے رحمت بن کر ظاہر ہوا ہے، قرآن نے آسمانی کتابوں کو بار بار ''رحمۃ'' و ''ھدی''، رحمت اور راہنمائی کی غرض سے بھیجنے کا جو اعلان کیا ہے، وہ تمام تر اسی غرض وغایت کی تشریح ہے، اسی لیے خاتم نبوت محمد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی ذات والا صفات تمام عالم کے لیے رحمت بن کر آئی، فرمایا:

﴿وَمَا أَرْسَلْنَاكَ إِلَّا رَحْمَةً لِّلْعَالَمِينَ﴾ (اور ہم نے تجھ کو (اے محمد!) تمام دنیا کے لیے رحمت بنا کر بھیجا ہے۔)''

(سیرۃ النبیؐ: ۴/۱۵۰-۱۵۱)

بسم اللہ الرحمن الرحیم

اردو اور ہندی میں شائع ہونے والا

ماہنامہ

پیام عرفات

رائے بریلی

مرکز الامام أبی الحسن الندوی دارعرفات تکیہ کلاں رائے بریلی (یوپی)

جلد: ۱۷ | ستمبر ۲۰۲۵ء - ربیع الاول ۱۴۴۵ھ | شمارہ: ۹

حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی دنیا سے بے رغبتی

قَالَ رَسُولُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ:

”إِنَّمَا مَثَلِي وَمَثَلُ الدُّنيَا كَرَاكِبٍ ظَلَّ تَحتَ شَجَرَةٍ ثُمَّ رَاحَ وَتَرَكَهَا.“

اللہ کے رسول صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا:

(میری اور دنیا کی مثال اس مسافر کی سی ہے جو کچھ دیر کے لیے درخت کے نیچے سایہ لیتا ہے، پھر اٹھتا ہے اور اسے چھوڑ کر اپنی راہ چل دیتا ہے۔)

(مسند أحمد: ۳۷۸۱)

مجلس ادارت

بلال عبدالحی حسنی ندوی

مفتی راشد حسین ندوی

عبدالسبحان ناخدا ندوی

محمد حسن ندوی

معاون ادارت

محمد مکی حسنی ندوی

محمد امین حسنی ندوی

محمد ارمغان بدایونی ندوی

پرنٹر پبلشر محمد حسن ندوی نے ایس، اے، آفسٹ پرنٹرس، مسجد کے پیچھے، پھاٹک عبداللہ خاں، سبزی منڈی، اسٹیشن روڈ، رائے بریلی سے طبع کرا کر دفتر ”پیام عرفات“ مرکز الامام أبی الحسن الندوي، دارِعرفات، تکیہ کلاں رائے بریلی سے شائع کیا۔

www.abulhasanalinadwi.org

فی شمارہ: -/Rs.15 | E-Mail: markazulimam@gmail.com | سالانہ زرتعاون: -/Rs.150

Markazul Imam Abil Hasan Al-Nadwi Samiti (Punjab National Bank) A/c No. 6127002100000339 (IFSC: PUNB0612700)

فہرس

انسان کامل کا نمونۂ انسانیت (اداریہ)..........۳
بلال عبدالحی حسنی ندوی..........
تقویٰ کیا ہے؟..........۴
بلال عبدالحی حسنی ندوی..........
فسخ وتفریق کے مسائل..........۵
مفتی راشد حسین ندوی..........
حقوق نسواں اور اسلام..........۷
محمد مکی حسنی ندوی..........
غزوات رسولؐ-انسانیت کے لیے ایک نمونہ..........۱۰
محمد امین حسنی ندوی..........
رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی خارجہ حکمرانی..........۱۲
محمد نجم الدین ندوی..........
سیرتِ رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم..........۱۴
حافظ محمد عادل حسنی..........
دعوتِ دین اور جدید ذرائع ابلاغ..........۱۵
عبدالعلی حسنی ندوی..........
ظہور قدسی کا پیام..........۱۷
محمد مصعب ندوی بارہ بنکوی..........
اسلاموفوبیا اور سیرت نبوی صلی اللہ علیہ وسلم..........۱۹
محمد ارمغان بدایونی ندوی..........

حسن آدمیت کا نمونہ

نتیجۂ فکر:- جناب تابش مہدیؒ

حسن آدمیت کا بس وہی نمونا ہے
”کَانَ خُلُقُهُ الْقُرْآن“ جس کے حق میں آیا ہے

یہ ہمارا اور اس کا اک اٹوٹ رشتا ہے
ہم غلام ہیں اس کے وہ ہمارا آقا ہے

ان کا نام آتا ہے جب بھی میرے ہونٹوں پر
خوشبوئیں بکھرتی ہیں، جسم جگمگاتا ہے

جانے کس جہاں میں ہوں، جانے کس فضا میں ہوں
حسن مسجد نبویؐ جب سے میں نے دیکھا ہے

اپنے کیا پرائے کیا، فیض یاب ہے دنیا
رحمت وسخاوت کا وہ تو ایک دریا ہے

تم نے ہی دکھایا ہے جادۂ خدا ہم کو
پہلے تم کو پایا ہے پھر خدا کو پایا ہے

اس قدر جو رسوا ہے امت نبی یارو
دین حق سے دوری کا یہ کھلا نتیجہ ہے

اُس نماز سے غافل اب ہیں امتی اُس کے
ٹھنڈک اپنی آنکھوں کی وہ جسے بتاتا ہے

مصطفیٰ کے سب ساتھی دین کے ستارے ہیں
اور جو ستارہ ہے مہر وماہ جیسا ہے

الفت پیمبر ہے، الفت صحابہؓ بھی
جو بھی ان سے جلتا ہے وہ نبی سے جلتا ہے

اُس کی قدر وقیمت تو ہم سے پوچھئے تابش!
سیرتِ پیمبر میں جس نے خود کو ڈھالا ہے

مدیر کے قلم سے

انسان کامل کا نمونۂ انسانیت

بلال عبدالحی حسنی ندوی

جولوگ دنیا کی تاریخ سے واقف ہیں، وہ جانتے ہیں کہ دنیا کے لیے سب سے مبارک دن وہ تھا جس دن رسول انسانیت ﷺ اس دنیا میں تشریف لائے، تقریباً ڈیڑھ ہزار سال پہلے کی دنیا انسانوں کی دنیا نظر نہیں آتی، وہ کہیں درندوں کی دنیا نظر آتی ہے، تو کہیں انسان نما جانوروں کی دنیا نظر آتی ہے، اس وقت کی دو متمدن حکومتیں رومن امپائر (Roman Empire) اور پرشین امپائر (Persian Empire) جن کا دبدبہ تھا، ان کا تمدن کیا تھا؟ ایک سڑا ہوا لاشہ تھا جس کی بدبو سے اس وقت کی پوری دنیا پریشان تھی، ان دونوں متمدن حکومتوں کی تاریخ دیکھ کر جسم کے رونگٹے کھڑے ہوجاتے ہیں اور حیرت ہوتی ہے کہ انسان گرتا ہے تو جانوروں کو پیچھے چھوڑ دیتا ہے، اس کی عقل لذت اندوزی کے لیے ایسے ایسے ظالمانہ طریقے اختیار کرتی ہے جس کی طرف کسی ایسے انسان کا ذہن بھی نہیں جاسکتا جس کے پہلو میں دھڑکتا ہوا دل ہو، اس تیرہ وتاریک دنیا میں انسان بھٹک رہا تھا، اس کو زندگی کا سرا نہیں مل رہا تھا اور نہ کہیں امید کی کرن نظر آرہی تھی اور لگتا تھا کہ شاید دنیا اپنی تباہی کے دہانے پر پہنچ چکی ہے اور اس کے پیدا کرنے والے نے اس کو فنا کردینے کا ارادہ فرمالیا ہے، لیکن اللہ کو کچھ اور منظور تھا، دنیا کو اپنا نیا سفر شروع کرنا تھا، اس کو ترقی کے بلند ترین معیار تک پہنچنا تھا اور وہ انسانیت جو شرمسار کھڑی تھی اُس کا سر فخر سے بلند ہونا تھا، علوم وفنون کی گتھیاں سلجھنی تھیں اور جابجا علم کی قندیلیں روشن ہونی تھیں، بے بسوں اور کمزوروں کو ان کا حق ملنا تھا اور عورت جو سر بازار رُسوا ہو رہی تھی اس کو اپنا مقام حاصل ہونا تھا، دنیا کے جہنم کدہ کو جنت کدہ میں تبدیل ہونا تھا کہ مکہ کی گھاٹیوں سے آفتاب نبوت طلوع ہوا، رحمت عالم ﷺ کیا تشریف لائے بہار آگئی، جو لب مسکرانے کے لیے ترس گئے تھے ان پر مسکراہٹ آئی، جو دل ان حالات کو دیکھ کر مسوس مسوس کر رہ جاتے تھے ان کی کلی کھل گئی، یہ خوشبو ایسی پھیلی کہ ایک صدی بھی نہیں گزرنے پائی کہ دنیا کا ہر حصہ معطر ہوگیا، باد خزاں کے بعد بہار کا دور آیا، باد سموم کے بعد باد نسیم کے ایسے دل نواز جھونکے چلے جنھوں نے مشام جان کو تازگی بخشی، مردہ دلوں کی مسیحائی کی اور انسانوں میں انسانیت کی بہار آگئی۔

علم کی یہ خوشبو جو حجاز کی مبارک سرزمین سے چلی تو اس نے کیا ایشیا اور کیا یورپ وامریکہ، ملک ملک کو معطر کیا اور لوگوں نے سکون کی سانس لی، مگر ان ہی انسانوں میں وہ درندہ صفت لوگ بھی تھے جن کی عادت خون چوسنے کی تھی، جن کا کام ہی اپنی راحت، لذت اور عزت کے لیے دوسروں کی عزتیں لوٹنا اور ان کو ستانا تھا، ان کو یہ عدل وانصاف ایک آنکھ نہ بھایا اور پہلے دن سے انہوں نے اس عادلانہ نظام اور رسول رحمت ﷺ کے خلاف طرح طرح سازشیں شروع کیں، یہ سلسلہ پہلے دن سے چلا اور مختلف مرحلوں سے گزرتا ہوا آج دنیا کے نام نہاد متمدن ملکوں کی شکل میں موجود ہے جن کے پاس اسی رومن اور پرشین کلچر کی دُہائی ہے۔ اسلام نے اس تمدن کو جس طرح تراش خراش کر سجایا تھا اور اس کی غلاظتیں صاف کی تھیں اور اس کو نکھارا تھا اور اس میں طرح طرح کے پھول سجا کر ایسا حسین گلدستہ دنیا کو دیا تھا جس کا تصور اس سے پہلے دنیا نہیں کرسکتی تھی، یہ نام نہاد متمدن قومیں نہیں چاہتیں کہ عدل وانصاف کی اس خوشبو کو باقی رکھا جائے، ان کا منشا صرف یہ ہے کہ ان کی طاقت باقی رہے، ان کا سکہ چلتا رہے، اس کے لیے قوموں کی قومیں اور ملک کے ملک بھی تباہ ہوتے چلے جائیں، اس کی ان کو کوئی پرواہ نہیں۔

آج جو کچھ رسول رحمت ﷺ کی ذات اقدس اور آپ ﷺ کی مبارک زندگی کے خلاف کہا یا لکھا جارہا ہے، یہ اسی کینہ کا نتیجہ ہے جو ان درندہ صفت انسانوں میں پہلے دن سے موجود تھا اور آج اس کی ترقی یافتہ شکلیں ہیں جو ہمارے سامنے آتی رہتی ہیں مگر یہ بھی ایک حقیقت ہے کہ انسانوں کی اکثریت اپنے اندر دھڑکتا ہوا دل اور انسانیت کا درد رکھتی ہے، اس کے سامنے جب انسان کامل ﷺ کا نمونۂ انسانیت پوری سچائی کے ساتھ آتا ہے تو ان کے دلوں کی کیفیت بدلنے لگتی ہے اور ایک پیاس محسوس ہونے لگتی ہے جو صرف اسوۂ رسول اکرم ﷺ کے آب زُلال سے بجھتی ہے، آج ہم مسلمانوں کی سب سے بڑی ذمہ داری ہے کہ ہم ایک طرف سیرت طیبہ کے پیغام کو عام کرنے کی کوشش کریں اور ایک ایک فرد تک اس کو پہنچائیں اور خود اس مبارک اسوہ کو سامنے رکھ کر اپنی زندگیوں کو اس کے مطابق کرنے کی کوشش کریں تاکہ علم وعمل کی دعوت دنیا تک پہنچے، حقیقت اور سچائی کے جاننے والوں کو ان کی غذا مل سکے اور تاریک دنیا میں جگہ جگہ علم وعمل، عدل وانصاف اور امن وامان کی قندیلیں روشن ہوں۔

تقویٰ کیا ہے؟

بلال عبدالحی حسنی ندوی

بہت سے بزرگان دین کی احتیاط کے بڑے واقعات ہیں، حضرت مولانا علی میاں ندویؒ کے پردادا' حضرت سید احمد شہیدؒ کے خلیفہ تھے، انگریزوں کے زمانہ میں وہ ملازمت کرتے تھے اور عہدہ دار بھی تھے، ان کی احتیاط کا عالم یہ تھا کہ وہ کسی کی دعوت بھی قبول نہیں کرتے تھے، اگر کہیں جانا ہوتا تو اپنا ہی کھاتے تھے، ایک جگہ کسی تعلق والے کے یہاں ان کا جانا ہوا، انہوں نے اپنے یہاں کھانے کا بہت اصرار کیا مگر وہ منع کرتے رہے، آخر میں انہوں نے کہا کہ میں تو کیا' میرا گھوڑا بھی کسی کے یہاں نہیں کھاتا۔ اتفاق سے کسی نے گھوڑے کے آگے گھاس ڈالی تو واقعی اس نے اپنا منھ ہٹالیا اور گھاس نہیں کھائی، اس پر لوگوں کو بڑا تعجب ہوا۔

حقیقت یہ ہے کہ جو محتاط ہوتا ہے تو اللہ تعالیٰ اس کے دل کو روشن کردیتے ہیں، حضرت قاری صدیق احمد باندویؒ فرماتے تھے کہ میں جس زمانہ میں مظاہر العلوم میں پڑھتا تھا تو میں بہت محتاط رہتا تھا، میں دن بھر میں بس ایک روٹی کھاتا تھا، فرماتے تھے کہ اس وقت میری عجیب کیفیت ہوگئی تھی، لگتا تھا کہ جو کل ہونے والا ہے وہ آج ہی میرے دل پر منکشف ہو رہا ہے، بلکہ ایک عجیب قصہ ہوا، ایک لڑکے متعلق ایسا معلوم ہوا کہ کل اس کو پولیس اٹھا کر لے جائے گی، میں نے اس لڑکے سے بھی یہ بات کہہ دی کہ تم یہاں سے چلے جاؤ ورنہ پولیس تمہیں پکڑ لے جائے گی، پہلے اس نے کوئی توجہ نہ دی مگر پھر وہ وہاں سے چلا گیا اور اگلے دن پولیس آگئی، قاری صاحب فرماتے تھے کہ یہ پرانی بات ہے جب میں محتاط رہتا تھا، اب تو میرا قصہ یہ ہے کہ میں ہر جگہ جاتا ہوں، مجھے ہر جگہ کھانا کھانا پڑتا ہے، میں احتیاط کرتا ہوں مگر اس کے باوجود بھی کھانا پڑتا ہے، اب مجھے وہ کیفیت حاصل نہیں ہے۔

واقعہ یہ ہے کہ دل میں جو روشنی اور صفائی پیدا ہوتی ہے، اس میں سب سے زیادہ دخل ''اکل حلال'' کا ہے، جتنا زیادہ اس کا اہتمام ہوگا اتنی ہی دل میں روشنی پیدا ہوگی، یہ وہ چیز ہے کہ اس کا اثر نسلوں میں بھی منتقل ہوتا ہے، حضرت مولانا عبدالحی حسنیؒ بہت زیادہ اہتمام کرتے تھے کہ کہیں سے کوئی مشتبہ چیز نہ آنے پائے، اللہ نے اس کا اثر ڈالا، اللہ نے انہیں دو بیٹے اور دو بیٹیاں دیں' ماشاء اللہ سب آفتاب و ماہتاب بن کر چمکے، ان کی اولاد سے اللہ نے خوب کام لیا، سچی بات یہ ہے کہ اس میں اکل حلال کے اہتمام کا بڑا حصہ ہے۔ حضرات صحابہ رضی اللہ عنہم کی زندگیوں میں بھی اس کا بہت اہتمام تھا، اگر ذرا بھی شبہ ہوتا تو وہ ہاتھ نہیں لگاتے تھے۔

حدیث میں فرمایا گیا کہ جہنم میں لے جانے والی چیزوں میں پہلی چیز منھ یعنی زبان کا چٹخارہ ہے، اکل حلال کا اہتمام نہ کرنا ہے، حرام مال سے اپنا پیٹ بھرنا ہے، عام طور پر جو لوگ دنیادار ہوتے ہیں' وہ کچھ نہیں سوچتے، بہت آرام سے وہ سود کھالیتے ہیں، سودی کاروبار کرتے ہیں، رشوت لیتے ہیں اور کھاتے ہیں، دوکان دار ہیں اور دوکان مشترک ہے تو دوسرے کا مال کھاتے ہیں، ناپ تول میں کمی کرکے حرام کھاتے ہیں، خراب نوٹ چلا کر چیزوں کو غلط طریقے پر خریدتے ہیں، ناقص نوٹ کو دھوکہ دے کر چلا دینا اور اس سے چیزوں کو خریدنا' حرام ہے، ظاہر ہے اب آدمی اس حرام سے پیٹ بھرے گا تو جہنم میں جائے گا، اس لیے ان سب باتوں پر بہت زیادہ توجہ دینے کی ضرورت ہے۔

یہ بات بھی بڑی اہم ہے کہ تجارت کرنے والے، کاروبار کرنے والے اور کھیتی باڑی کرنے والے زکوٰۃ ادا کرنے کا بھی خیال رکھیں، اگر زکوٰۃ ادا نہ کی گئی تو سارا کا سارا مال نجس ہوگیا اور جب نجس ہوگیا تو گویا حرام کھایا اور حرام کھایا تو جہنم کا راستہ بنایا، یہ بڑی خطرناک بات ہے۔

اسی طرح وراثت کی تقسیم کا مسئلہ بھی ہے، وراثت کی تقسیم شریعت کے مطابق کون کرتا ہے، بہن کا حق کھاتے ہیں بلکہ اب تو لوگ بھائی کا حق بھی مار لیتے ہیں، جو بھائی طاقتور ہے وہ کمزور کو دباتا ہے اور سوچتا ہے کہ سب کچھ ہم ہی کو مل جائے، ظاہر ہے جس نے دوسرے کا حق مارا اور زیادہ لیا تو اس نے حرام کھایا اور جہنم کے لیے اپنا راستہ بنایا۔

فسخ وتفریق کے مسائل

مفتی راشد حسین ندوی

طلاق کے کچھ ضروری احکام گزشتہ صفحات میں بیان کردیئے گئے ہیں، طلاق کا اختیار بہت سی مصلحتوں کے سبب شریعت نے صرف مردوں کو دیا ہے، عورتیں طلاق نہیں دے سکتیں، لیکن اگر عورتوں کو شوہروں کے ساتھ اپنی زندگی گزارنا مشکل ہو اور شوہر طلاق دینے پر آمادہ نہ ہو تو شریعت نے فسخ کا طریقہ مقرر کر رکھا ہے یعنی وہ عمومی اسباب جن کی بنیاد پر شوہر کے ساتھ زندگی گزارنا ممکن نہیں ہوتا ہے، اگر ان میں سے کوئی سبب پیش آجائے تو عورت یہ کرسکتی ہے کہ اپنے معاملہ کو کسی دار القضاء میں پیش کردے، قاضی شوہر کو بھی طلب کرے گا اور باقاعدہ دونوں کی بات سنے گا، ضرورت ہو تو گواہ اور ثبوت طلب کرے گا اور اگر ثابت ہوجائے کہ عورت واقعی شوہر کے ساتھ نہیں رہ سکتی، یا ساتھ رہنا بہت دشوار ہے تو وہ نکاح کو فسخ کردے گا اور عورت کو عدت گزارنے کے بعد کہیں اور نکاح کرلینے کا اختیار دے دے گا اور فریقین کا فریضہ ہوگا کہ وہ قاضی کی ہدایات پر عمل کریں۔

قاضی کی ضرورت:

لیکن نکاح کو فسخ کرنے کے لیے قضاءِ قاضی کی ضرورت ہوتی ہے، قضاء کا نظام الحمدللہ اب ملک کے اکثر حصوں میں موجود ہے، سب سے پہلے یہ سلسلہ بہار میں مولانا ابوالمحاسن سجاد رحمہ اللہ کی کوششوں سے قائم ہوا اور آج بھی بہار، اڑیسہ اور جھارکھنڈ میں امارت شرعیہ کا نظام مضبوطی کے ساتھ قائم ہے، پھر پرسنل لا بورڈ کی کوششوں سے لکھنؤ میں دار القضاء قائم ہوا اور فی الحال ملک کے طول وعرض میں سیکڑوں دار القضاء پرسنل لا بورڈ کے تحت کام کررہے ہیں، ضرورت مندوں کو قریبی دار القضاء کا پتہ لگا کر وہاں اپنا معاملہ حل کروالینا چاہیے، کچھ جگہوں پر جمعیۃ العلماء کے تحت شرعی پنچایتیں قائم ہیں، وہاں بھی اس طرح کے مسائل حل کرائے جاسکتے ہیں۔

فسخ وتفریق کے اسباب:

ہندوستان کے دار القضاؤں میں مندرجہ ذیل چودہ اسباب میں سے کسی کے پیش آنے پر زوجین میں تفریق کرائی جاتی ہے:

(۱) شوہر کا مفقود الخبر ہونا۔

(۲) شوہر کا غائب غیر مفقود ہونا۔

(۳) شوہر کا ادائیگی نفقہ سے عاجز ہونا۔

(۴) شوہر کا استطاعت کے باوجود نفقہ نہیں دینا۔

(۵) شوہر کا حقوق زوجیت ادا نہ کرنا۔

(۶) شوہر کا مجبوب (وہ شخص جس کا عضو تناسل کٹا ہوا ہو) ہونا۔

(۷) شوہر کا **عنّین** (نامرد) ہونا۔

(۸) شوہر کا مجنون ہونا۔

(۹) شوہر کا مجذوم (کوڑھ میں مبتلا)، مبروص (سفید داغ والا ہونا)، یا ایسے مرض میں مبتلا ہونا جس کے باعث بغیر ضرر عورت کا ساتھ رہنا ناممکن ہو۔

(۱۰) نکاح کا غیر کفو میں ہونا یا غبن فاحش کے ساتھ ہونا۔

(۱۱) عورت کا حرمتِ مصاہرت سے دوچار ہونا۔

(۱۲) نابالغ کا خیارِ بلوغ کو اختیار کرنا۔

(۱۳) شوہر کا تکلیف دہ مار پیٹ کرنا۔

(۱۴) زن وشوہر میں شقاق ہونا۔

(کتاب الفسخ والتفریق، ص: ۶۰-۶۱)

اگر کسی کے ساتھ ان اسباب میں سے کوئی سبب پیش آئے اور وہ اپنا نکاح فسخ کرانا چاہتی ہو تو قریبی دار القضاء سے رجوع کرنا چاہیے، قاضی شریعت کی روشنی میں معاملہ کو حل کریں گے، اسی لیے

ہمیں زیادہ تفصیل کرنے کی ضرورت نہیں ہے، لیکن مختصراً ان اسباب کی کچھ وضاحت کی جاتی ہے۔

شوہر کا مفقود الخبر ہونا:

جو شخص مفقود الخبر ہوجائے، کچھ پتہ نہ ہو کہ کہاں ہے؟ زندہ ہے یا نہیں؟ تو اس کی بیوی کیا کرے گی؟ ائمہ کے اس کے بارے میں بنیادی طور پر دو نقطہ نظر ہیں: احناف وشوافع وغیرہم کے نزدیک وہ اس وقت تک اپنا نکاح نہیں کرسکتی جب تک اس کی موت کی تصدیق نہ ہوجائے، ان حضرات کی دلیل ''طحطاوی'' میں موجود ایک روایت ہے، جب کہ امام مالک کے نزدیک قاضی ایسی عورت کے لیے چار سال کی مدت مقرر کرے گا، اس مدت تک شوہر کا پتہ نہ چلے تو قاضی نکاح فسخ کردے گا پھر عدت گزارنے کے بعد عورت دوسرا نکاح کرنے کے لیے آزاد ہوگی۔

(بداية المجتهد: ۲/ ۵۲، الفصل الثالث في خيار الفقد)

البتہ احناف کے نزدیک ایک روایت کے مطابق جب پیدائش کے اعتبار سے نوے سال گزر جائیں اور ایک روایت کے مطابق جب اس کے شہر کے تمام ہم عمروں کی موت واقع ہوجائے تو اس کی موت کا حکم لگایا جائے گا اور اب عدت گزارنے کے بعد اس کی بیوی نکاح کرسکتی ہے۔(هندية: ۲/ ۳۰۰، كتاب المفقود، وشامي: ۳/ ۳٦۲، كتاب المفقود)

لیکن ظاہر بات ہے اتنی طویل مدت گزرنے کے بعد موت کا حکم لگانے سے اگر بیوی زندہ بھی ہو تو اس کا کوئی فائدہ نہیں ہوسکتا، اسی لیے مسئلہ کی نزاکت کو دیکھتے ہوئے متاخرین احناف نے اس مسئلہ میں امام مالک کا قول اختیار کرنے کی اجازت دی، چنانچہ علامہ شامی فرماتے ہیں:

"وقد قال في البزازية: الفتویٰ في زماننا علیٰ قول مالك"

(بزازیہ میں ہے کہ ہمارے زمانہ میں فتویٰ امام مالک کے قول پر ہے۔)(شامی: ۲/ ۳٦۲)

لیکن کسی مسئلہ میں ضرورت کے تحت جب کسی دوسرے امام کا مسلک اختیار کرنا ہو تو اس کی کئی شرائط ہیں جن کو حکیم الامت مولانا اشرف علی تھانوی نے مالکی علماء سے خط وکتابت کرکے خوب منقح کردیا ہے۔(دیکھئے کتاب ''الحیلۃ الناجزۃ'' ص: ۲۰۰/ وما بعد)

مولانا عبد الصمد رحمانی نے اپنی کتاب میں ان شرائط کے بارے میں جو کچھ لکھا ہے اس کا خلاصہ مندرجہ ذیل ہے:

''ضرورت کے وقت دوسرے امام کی تقلید کرنے میں کوئی حرج نہیں ہے لیکن یہ شرط ہے کہ اس امام نے جن چیزوں کو ضروری قرار دیا ہے ان سب کا التزام کرے، لہٰذا حنفی قاضی کے پاس جب مفقود الخبر کی بیوی اپنا معاملہ پیش کرے تو اسے مندرجہ ذیل امور کا لحاظ رکھنا ہوگا:

۱- زوجہ مفقود الخبر شاہدوں کے ذریعہ پہلے مفقود الخبر سے اپنا نکاح ثابت کرے۔

۲- پھر اس کا لاپتہ ہونا ثابت کرے۔

۳- پھر قاضی خود بھی مکمل طور سے اس کی تحقیق کرے اور اخبار وغیرہ میں اعلان شائع کرائے۔

۴- جب کوئی پتہ نہ چلے تو قاضی زوجہ مفقود الخبر کو مزید چار سال تک انتظار کرنے کا حکم دے، جب کہ اس کے نان نفقہ کا انتظام موجود ہو اور بیوی کے معصیت میں پڑنے کا اندیشہ نہ ہو، اس کے بعد عورت کے مطالبہ پر قاضی یہ حکم دے گا کہ چار مہینے دس دن عدتِ وفات گزار کر وہ کہیں اپنا نکاح کرسکتی ہے۔

۵- اگر اس کے گناہ میں مبتلا ہونے کا ڈر ہو تو ایک سال کے بعد ہی قاضی تفریق کردے گا۔

٦- اور اگر عورت کے نان نفقہ کا نظم نہ ہو اور اس نے اپنی عرضی میں نان نفقہ کی پریشانی کا بھی ذکر کیا ہو تو قاضی فوری طور پر بھی تفریق کا فیصلہ کرسکتا ہے۔

(کتاب الفسخ والتفريق، ص: ٦٥-٧٤، بحوالہ فتویٰ علامہ طیب، علامہ ہاشم، علامہ سعید بن سعید)

Feminism
حقوق نسواں اور اسلام

سید محمد مکی حسنی ندوی

عورت کا حق ہر دور میں بحث کا موضوع رہا ہے، عورت کی دانشمندی اور سماج میں مقام کے نظریہ نے اس کو مختلف فیہ بنا رکھا ہے اور اس بنا پر عورت کے ساتھ سلوک کی تاریخ بھی قابل بحث رہی ہے۔ قدیم معاشروں میں عورت کو کم تر سمجھا گیا۔ یونان وروم میں وہ جائیداد کی طرح سمجھی جاتی تھی، ہندوستان میں بیوہ کو جلانے (ستی) اور کم عمری کی شادی کا رواج تھا، جبکہ عرب جاہلیت میں لڑکیوں کو زندہ دفن کیا جاتا تھا۔ قرونِ وسطیٰ میں یورپ میں عورت کو جادوگر قرار دے کر زندہ جلا دیا جاتا اور تعلیم ووراثت سے محروم رکھا جاتا۔ صنعت کاری کے دور میں عورتوں کو سخت محنت کے باوجود کم اجرت دی گئی۔ جدید دور میں بھی عورت کو ووٹ، تعلیم اور فیصلہ سازی کے حقوق حاصل کرنے کے لیے لمبی جدوجہد کرنی پڑی۔ آج بھی گھریلو تشدد، ہراسانی اور مساوی تنخواہ نہ ملنے جیسے مسائل ابھی تک جاری ہیں۔ اسلام کے آتے ہی رسول اللہ ﷺ نے عورتوں کو اس دور کی جہالت سے نکالا اور عزت بخشی اور اس کا اثر وہاں تک گیا جہاں کہیں بھی اسلام پہنچا، لیکن تعلّی کے شکار مغربی ممالک نے اسلام کو نہیں اپنایا اور فرانسیسی انقلاب تک عورتیں ظلم اور بربریت کا شکار رہیں اور اس ہیجانی کیفیت نے فیمنزم جیسی تحریک کو جنم دیا۔

موجودہ دور میں فیمنزم ایک سماجی اور فکری تحریک ہے جو عورت اور مرد کو ہر شعبۂ زندگی میں یکساں بنانے کی کوشش کرتی ہے، اس کے نزدیک مساوات کا مطلب یہ ہے کہ عورت اور مرد کے درمیان کسی بھی معاملے میں کوئی فرق نہ رکھا جائے، چاہے وہ فرق فطرت کی بنا پر ہی کیوں نہ ہو۔ فیمنزم اپنی اصولی رہنمائی انسانی سوچ، قوانین اور بدلتے ہوئے سماجی رجحانات سے لیتا ہے۔ اس کے تحت آزادی کا تصور بہت وسیع ہے، جہاں ہر فرد خود طے کرتا ہے کہ اسے کس طرح زندگی گزارنی ہے، حتیٰ کہ لباس اور تعلقات میں بھی کوئی پابندی نہیں۔

تاریخ فیمنزم: فیمنزم کے نظریہ کی بانی میری والسٹونکرافٹ (Mary Wollstonecraft) مانی جاتی ہے جس نے حقوق نسواں پر ایک کتاب (A Vindication of the Rights of Woman) لکھی، لیکن فیمنزم کی اصطلاح کو سب سے پہلے 'چارلس فوریئر' (Charles Fourier) نامی فارسیسی فلسفی نے استعمال کیا، ۱۸۸۰ء کے اواخر میں حقوق نسواں کا ترجمان فرانسیسی جریدہ (La Citoyenne) بھی جاری ہوا، اس جریدہ کی بانی اور مدیر ہوبرٹائن آکلرٹ (Hubertine Auclert) تھی، ان سب کا مقصد سماج پر مردانہ غلبہ کے خاتمے کے خلاف اور خواتین کے ان حقوق واختیارات کو حاصل کرانا تھا جن سے مغربی خواتین محروم تھیں، اس تصور کو فرانس کے انقلاب کے بعد سے عورتوں کے ذہن میں ڈالنا شروع کیا گیا۔ ابتدائی دنوں میں اس اصطلاح کو مردوں کے تحت سماج میں خواتین کی جدوجہد کو آگے بڑھانے کے لیے ایک پرکشش نعرے کے طور پر استعمال کیا گیا۔ فرانس میں سیاسی، سماجی اور مذہبی حالات میں اس اصطلاح نے خواتین کو حقوق دلانے کی کوششوں کو سرگرم کیا، پھر بیسویں صدی کے ابتدائی دور میں یہ اصطلاح برطانیہ میں متعارف ہوئی۔ چند برس بعد ۱۹۲۰ء کے قریب فیمنزم کی اصطلاح فرانسیسی زبان کے ذریعہ مصر پہنچ کر عرب دنیا میں یا کہیے مسلم دنیا میں داخل ہوئی۔ عربی میں اس کا ترجمہ ''نسائیۃ'' سے کیا گیا لیکن یہ بات ذہن میں رہنی چاہیے کہ فرانسیسی فیمنزم برطانوی فیمنزم نہ تھا اور نہ ہی برطانوی فیمنزم جوں کا توں امریکہ پہنچا۔ یہ اصطلاح اگرچہ خصوصاً فرانس میں ایجاد ہوئی مگر ہر جگہ اس نے مقامی حالات وکوائف اور سماجی ومعاشرتی تانے بانے کے مطابق شکل وصورت اختیار کی۔ چنانچہ جب یہ اصطلاح مصر میں متعارف ہوئی تو وہاں بھی اس کے مدعا کے تعیین میں سماجی، سیاسی اور مذہبی ومعاشرتی حالات کا دخل تھا۔ البتہ پورے اطمینان کے ساتھ یہ کہا جا سکتا ہے کہ بنیادی طور پر مغربی دنیا میں عورت کی مظلومیت کے ردِّ عمل میں یہ ایک تحریک کی شکل میں ابھری پھر یورپ میں اور پھر باقی دنیا میں پھیلتی گئی۔

تاریخ کے مختلف ادوار میں یہ تحریک مختلف صورتوں میں سامنے آئی جنھیں عمومی طور پر تین بڑی لہروں میں تقسیم کیا جاتا ہے۔

پہلی لہر:

انیسویں صدی کے آخر اور بیسویں صدی کے آغاز میں عورتوں نے بنیادی شہری و قانونی حقوق کے حصول کی تحریک شروع کی۔اس لہر کو ''پہلی لہر'' کہا جاتا ہے۔اس میں عورت کو ووٹ دینے کا حق دلانے کے لیے Suffrage Movement سب سے نمایاں تھی۔ اس کے ساتھ ساتھ عورتوں نے ملکیت، تعلیم اور ملازمت میں محدود حقوق کی جدوجہد بھی کی۔اس لہر نے عورت کو ایک شہری کے طور پر تسلیم کروانے کی راہ ہموار کی۔

دوسری لہر:

1960 کی دہائی سے 1980 تک چلنے والی دوسری لہر کا مقصد صرف قانونی مساوات نہیں بلکہ سماجی اور معاشی مساوات بھی تھا۔اس دور میں عورت نے گھر کی چاردیواری سے نکل کر ملازمت، معیشت اور سیاست میں برابری کے مواقع کا مطالبہ کیا۔تولیدی آزادی (Reproductive Rights)، جنسی آزادی اور گھریلو ذمے داریوں میں مرد و عورت کی شراکت جیسے مسائل اس لہر کے مرکزی نکات تھے۔ بیٹی فریڈن اور سیمون دی بووا جیسی شخصیات نے عورت کو اس کے روایتی کردار سے باہر نکلنے کی ترغیب دی۔

تیسری لہر:

1990 کے بعد فیمنزم کی تیسری لہر سامنے آئی جو زیادہ متنوع اور شمولیتی تھی۔اس لہر میں صرف صنفی برابری نہیں بلکہ نسل، رنگ، زبان، قومیت اور طبقاتی فرق کو بھی زیر بحث لایا گیا۔عورت کو اپنی شناخت بنانے، اپنی پسند کے مطابق زندگی گزارنے اور ہر طرح کی معاشرتی رکاوٹوں کو چیلنج کرنے کا حق دیا گیا۔اس لہر نے بتایا کہ عورت ایک یکساں گروہ نہیں بلکہ مختلف شناختوں اور پس منظر رکھنے والا طبقہ ہے۔

اسلام میں فیمنزم کی تاریخ:

جہاں تک عورتوں کے حقوق کی بات ہے اسلام ان کا سب سے بڑا علمبردار ہے، وہ حقوق کے ساتھ ساتھ مرد اور عورت کے معاملات میں اور حقوق میں توازن اور بیلنس کی بات بھی کرتا ہے۔ اسلام مساوات کو ''عدل'' کے اصول پر پرکھتا ہے، اللہ رب العزت نے مرد اور عورت کو الگ الگ صلاحیتیں، نفسیات اور صلاحیتیں عطا فرمائی ہیں۔

اسلام نے حقوق اور فرائض کی تقسیم فطری امور کو سامنے رکھ کر، دونوں کے فطری تقاضے، ضروریات اور دونوں کی فطری صلاحیتوں کو سامنے رکھ کر کی ہے اور وہی متوازن اور فطری تقسیم ہے جو اسلام کرتا ہے۔ اسلام کے نزدیک آزادی کا مطلب یہ ہے کہ انسان اپنی زندگی اللہ کی طے کردہ حدود میں رہ کر گزارے تاکہ فرد اور معاشرہ دونوں محفوظ رہیں۔

جناب نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے عورت کو زندگی کا حق دلوایا، وراثت کا حق دلوایا، رائے کا حق دلوایا، علم کا حق دلوایا، معاشرے میں عزت اور احترام عطا کیا اور عورت کو بطور ماں کے عزت و احترام، بطور بہن اور بیٹی کے شفقت، بطور بیوی کے محبت کے جذبات کی تلقین فرمائی اور خود بھی اپنے عمل کے ساتھ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے اپنے گھر میں اپنے خاندان میں اس کا عملی نمونہ پیش کیا۔

جدید دنیا میں بھی مفتیان کرام نے عورتوں کو ہر طرح کی آزادی فراہم کی ہے، کسی کمپنی میں نوکری ہو یا اپنی تجارت کے ذریعہ روزگار ہو، گاڑی، موٹر سائیکل یا ہوائی جہاز کا اڑانا ہو یا کہیں دور دراز ممالک کے اسفار ہوں، ان تمام باتوں کی شرعی اجازت ہے مگر ان کی فطرت اور ضرورت کے لحاظ سے انصاف یہی ہوگا کہ ان کے ساتھ کوئی محرم ہو اور کسی غیر محرم کی بدنیتی کے شکار سے بچانے کے لیے محرم کا ساتھ اور غیر محرم سے کلی پردہ کی حد مقرر کی ہے۔

فیمنزم کی بنیادی اقسام:

(۱) لبرل فیمنزم (Liberal Feminism)

لبرل فیمنزم کا مقصد موجودہ سماجی اور قانونی ڈھانچوں کے اندر رہتے ہوئے عورتوں کو مساوی مواقع فراہم کرنا ہے۔اس کے لیے قوانین اور پالیسیوں میں اصلاحات کی جاتی ہیں تاکہ عورتوں کو تعلیم، ملازمت اور سیاسی شعبوں میں مردوں کے برابر حقوق حاصل ہوں۔

(۲) ریڈیکل فیمنزم (Radical Feminism)

ریڈیکل فیمنزم پدرشاہی (Patriarchy) کو ظلم و جبر کا بنیادی نظام قرار دیتا ہے۔ یہ نظریہ اس بات پر زور دیتا ہے کہ جب تک پدرشاہی کو مکمل طور پر ختم نہیں کیا جاتا، عورت حقیقی آزادی حاصل نہیں کر سکتی۔

(۳) سوشلسٹ فیمنزم (Socialist Feminism)

یہ نقطۂ نظر سرمایہ دارانہ نظام کو صنفی عدم مساوات کی اصل جڑ سمجھتا ہے۔ سرمایہ داری میں طاقت اور وسائل زیادہ تر مردوں کے پاس ہوتے ہیں جس کے نتیجے میں عورتیں پسماندگی کا شکار رہتی ہیں۔ لہٰذا عورتوں کی آزادی کے لیے ایک سوشلسٹ انقلاب ناگزیر سمجھا جاتا ہے۔

(۴) کلچرل فیمنزم (Cultural Feminism)

کلچرل فیمنزم عورت کی ان خصوصیات کو مثبت انداز میں اجاگر کرتا ہے جو معاشرت کے لیے فائدہ مند ہو سکتی ہیں جیسے پرورش، تعاون اور ہمدردی۔ اس کے مطابق اگر یہ اقدار زیادہ فروغ پائیں تو معاشرہ زیادہ پرامن اور بہتر ہو سکتا ہے۔

(۵) انٹرسیکشنل فیمنزم (Intersectional Feminism)

یہ نظریہ اس بات پر زور دیتا ہے کہ عورتوں پر ظلم صرف جنس کی بنیاد پر نہیں ہوتا بلکہ نسل پرستی، طبقاتی امتیاز اور دیگر عوامل بھی ان کے ساتھ جڑ جاتے ہیں۔ اس لیے مختلف پس منظر رکھنے والی عورتوں کے مسائل کو سمجھنے کے لیے ان تمام عوامل کو یکجا دیکھنا ضروری ہے۔

اسلام اور فیمنزم کا تقابل:

۱- بنیاد:

☆ فیمنزم: عورت اور مرد کو ہر شعبے میں مساوی حقوق دینا، خاص طور پر تاریخی ناانصافیوں کو ختم کرنا۔

☆ اسلام: عورت اور مرد دونوں کو عزت، انصاف اور ان کے دائرۂ عمل کے مطابق حقوق و فرائض دینا۔ اسلام میں برابری (Equality) کی بجائے عدل (Justice) پر زیادہ زور ہے — یعنی ہر ایک کو اس کے کردار، فطرت اور ذمہ داری کے لحاظ سے حق ملے۔

۲- حقوق کی فراہمی:

☆ فیمنزم: اکثر قانونی اور سماجی اصلاحات کے ذریعے حقوق دینے کی کوشش کرتا ہے، چاہے وہ معاشرتی یا حیاتیاتی فرق کو نظر انداز بھی کر دے۔

☆ اسلام نے ۱۴۰۰/ سال پہلے سے عورت کو وراثت، مہر، نکاح میں رضامندی، جائیداد رکھنے اور کاروبار کرنے کا حق دے رکھا ہے۔ یہ سب اس وقت ہوا جب دنیا کے زیادہ تر معاشرے عورت کو جائیداد کا حصہ سمجھتے تھے۔

۳- ذمہ داریاں اور کردار:

☆ فیمنزم: اکثر اس بات پر زور دیتا ہے کہ عورت ہر کردار کو مرد کی طرح ادا کر سکتی ہے، حتیٰ کہ وہ کردار بھی جو فطرتاً مختلف ہیں۔

☆ اسلام: فطرت (Nature) اور معاشرتی توازن کو مدنظر رکھ کر عورت اور مرد کے کردار طے کرتا ہے۔ بے شک و شبہ عورت گھر اور خاندان کی بنیادی معمار ہے لیکن تجارت، تعلیم، طب اور دیگر شعبوں میں بھی ہنر آزمائی کر سکتی ہے۔

۴- لباس اور آزادی:

☆ فیمنزم: عورت کو مکمل آزادی دینے کا قائل ہے کہ وہ جیسے چاہے زندگی گزارے، لباس اور تعلقات میں بھی۔

☆ اسلام: آزادی دیتا ہے لیکن حدود اور اخلاقیات کے ساتھ تاکہ فرد اور معاشرہ دونوں محفوظ رہیں مثلاً پردہ اور حیا کا تصور۔

۵- تنقیدی پہلو:

☆ فیمنزم کے بعض دھارے مرد کو دشمن یا ظالم کے طور پر پیش کرتے ہیں جبکہ اسلام مرد کو عورت کا محافظ اور خیر خواہ قرار دیتا ہے۔

☆ اسلام کا مقصد مساوات برائے انصاف ہے، جبکہ فیمنزم اکثر مساوات برائے مساوات چاہتا ہے چاہے وہ فطرت کے خلاف ہو۔

خلاصہ: ☆ جہاں فیمنزم اور اسلام دونوں عورت کی عزت، تعلیم اور حقِ رائے دہی پر متفق ہیں، وہیں آزادی اور کردار کے معاملے میں اسلام ایک متوازن نظام دیتا ہے، جبکہ فیمنزم میں آزادی کی کوئی آخری حد مقرر نہیں ہے۔

☆ فیمنزم اور اسلام کے اصولوں میں بنیادی فرق یہ ہے کہ فیمنزم چاہتا ہے عورت اور مرد کے درمیان (Competition) کا تعلق ہو اور اسلام چاہتا ہے کہ ان کے درمیان (Co-Operation) کا تعلق ہو جبکہ اسلام چاہتا ہے کہ عورت اور مرد ''رفیق'' بن کر رہیں اور فیمنزم دونوں کو ایک دوسرے کا ''فریق'' بنانا چاہتا ہے۔

غزواتِ رسول ﷺ انسانیت کے لیے ایک نمونہ

محمد امین حسنی ندوی

حضور ﷺ کی بعثت عالم انسانیت کے لیے ہے، اللہ تعالیٰ نے آپ کو تمام انسانوں کے لیے رحمت بنا کر بھیجا ہے:

﴿وَمَا أَرْسَلْنَاكَ إِلَّا رَحْمَةً لِّلْعَالَمِينَ﴾

آپ کی رحمت نباتات کے لیے بھی جمادات کے لیے بھی ہے اور حیوانات کے لیے بھی، اسی رحمت کا خاصہ تھا کہ انسانوں کو آپ کے ذریعہ رحمت کا، شفقت کا، انسیت کا، محبت ومودت کا سبق ملا۔

جنگ ایسا عمل ہے جس میں انسان محبت اور نرمی بھول جاتا ہے، یہ مثال دی جاتی ہے کہ جنگ میں سب کچھ جائز ہے جو چاہو کرو جس طرح بھی درندگی کا، سفاکیت اور قتل وغارت گری کا موقع ملے اس کو جانے مت دو، مغربی تہذیب اسی کی علمبردار ہے۔

صلیبی جنگوں میں جس طرح ظلم وستم کی آگ بھڑکائی گئی، قتل وخونریزی، آتش زنی، لوٹ مار، عصمت دری ہر کسی کو تہہ تیغ کیا گیا، نہ مردوں کو بخشا گیا، نہ عورتوں کو، نہ ہی بچوں کو، نہ ہی بوڑھوں کو، ہر کسی کو قتل کیا گیا، سڑکیں خون سے رنگین ہوگئیں، بے دردی سے سب کو مارا گیا حتی کہ جب صلیبی فاتحانہ بیت المقدس میں داخل ہوئے تو ان کے گھوڑے گھٹنوں تک خون میں ڈوبے ہوئے تھے، بچوں کی دونوں ٹانگیں چیر دی گئیں، ماؤں سے بچوں کو چھین کر مارا گیا، حتی کہ دودھ پیتے بچوں تک کو نہیں بخشا گیا۔

پوپ نکولس نے ۱۴۵۵ء کو ایک حکم نامہ جاری کیا جس میں صاف ہدایات دی گئیں، اس میں اس نے کہا:

”حملہ کرو، ڈھونڈ نکالو، قید کرو، تباہ کرو اور سبھی مسلمانوں، مشرکوں اور عیسیٰ مسیح کے ہر ایک دشمن کو سرنگوں کردو، وہ چاہے جہاں اور جس حال میں ہوں اور ان کی بادشاہت حکومت علاقے اور املاک چاہے قابل نقل وحرکت ہوں یا نہ ہوں، ان پر قبضہ کرو، ان کی تعداد کو گھٹا کر ہمیشہ کے لیے غلام بنالو۔“

۱۹۱۴ء میں پہلی جنگ عظیم ہوئی جو چار سال تک چلی، ۹۰/ لاکھ فوجی اور ۷۰/ لاکھ عام شہری اس جنگ میں مارے گئے اور پچاس لاکھ عام شہری بھوک اور بدترین حالات کا شکار ہوئے اور اپنی جان سے ہاتھ دھو بیٹھے۔

فرانس میں جمہوری انقلاب برپا ہوا اور جب فرداً فرداً انسانوں کو قتل کرنا ممکن نہ ہوا تو گلوٹیں ایجاد کرنا پڑیں جو بیک وقت بیسیوں انسانوں کے سروں کو ناریلوں کی طرح اڑا دیتی تھیں، اس جمہوری انقلاب نے مؤرخین کے اندازے کے مطابق ۲۶/ لاکھ انسانوں کو گلوٹوں سے بھینٹ چڑھا دیا۔

روس میں اشتراکی انقلاب نے ایک کروڑ سے زائد انسانوں کو قتل وغارت گری اور برفانی قید خانوں کے حوالہ کردیا، مولانا عبدالماجد دریابادی رحمۃ اللہ علیہ نے اس حقیقت سے پردہ اٹھایا وہ لکھتے ہیں:

”برطانیہ کے فوجی افسروں کی نگاہ میں اپنے سپاہیوں کی وقعت بس محض ”غذائے توپ“ کی تھی، جنگوں میں انگریز افسر اپنی تقریروں میں یہ باتیں کرتے تھے؛ اپنی انسانیت وشرافت کو بھلا دو، دلوں کو پتھر بنالو، موت وزندگی کی طرف سے بہرے بن جاؤ، یہ جنگ ہے جنگ۔“

ہندوستانی مؤرخ پروفیسر امریش مشرا اپنی تحقیقی کتاب؛

“War of civilisation India the road to Delhi A.D 1857”

میں تاریخی شواہد ودستاویزات اور سرکاری اعداد وشمار کی بنیاد پر لکھتا ہے: ”انگریزوں نے ۱۸۵۷ء میں دس ملین (ایک کروڑ) ہندوستانیوں کو موت کے گھاٹ اتار دیا اور یہ سب کے سب بے گناہ تھے، ان کا قصور صرف یہ تھا کہ انہوں نے ملک کی آزادی کی خاطر برطانوی سامراج کے ظلم وتشدد کے خلاف تحریک شروع کی تھی لیکن سفاک انگریزوں نے اپنے اقتدار کی حفاظت وبقا کی خاطر بے گناہ

ہندوستانیوں (مسلمان و ہندو) کو بے رحمی سے قتل کر دیا اور یہ خونی سلسلہ ۱۸۵۷ء سے ۱۸۶۷ء تک جاری رہا۔

انفرادی طور پر جو ظلم وستم کلیسا نے ڈھایا تھا' وہ بھی اپنی مثال آپ ہے، زندہ انسانوں کو آگ میں جھونک دیا جاتا تھا اور نیم جلی حالت میں نکال کر مرنے کے لیے چھوڑ دیا جاتا، مردوں اور عورتوں کو باندھ کر چمنی میں لٹکا دیا جاتا اور نیچے آگ لگا دی جاتی تاکہ وہ آگ میں تپ کر اور دھوئیں میں گھٹ کر تڑپ تڑپ کر مر جائیں، پورے جسم میں سوئیاں چبھوئی جاتیں، زنجیر میں باندھ کر ہلکی آگ میں بھونا جاتا، زمین پر لٹکا کر کلہاڑی یا لوہے سے اس کی کمر توڑی جاتی، پھر اسے تڑپنے کے لیے چھوڑ دیا جاتا تاکہ وہ مر جائے۔

یہ سلسلہ ختم نہیں ہوتا بلکہ قتل وغارت گری کے نت نئے طریقہ ایجاد ہوئے، اب بموں سے، میزائلوں سے اور ڈرون حملے کر کے ملکوں کو تاراج کیا جارہا ہے، عراق، لبنان، لیبیا، شام، افغانستان اور اسی طرح فلسطین کو ملبہ کا ڈھیر بنا دیا گیا اور انسانوں کے ساتھ درندگی کا مظاہرہ کیا جارہا ہے۔

موجودہ دور میں امریکہ کی پشت پناہی کے ساتھ بلکہ یورپ کی سرپرستی میں اسرائیل کی ناجائز حکومت نے فلسطینیوں پر جو مظالم ڈھائے ہیں نہ ان کے بچوں کو بخشا جارہا ہے، نہ عورتوں پر رحم کیا جارہا ہے، نہ ہی بوڑھوں پر، مغرب نے درندگی کا جس طرح مظاہرہ کیا ہے بلکہ مسلسل کر رہا ہے تاریخ انسانی میں اس سے بڑھ کر کچھ نہیں اور طرفہ تماشہ کہ یہی اقوام اپنے کو امن عالم کا ٹھیکیدار بتاتی ہیں، حقوق انسانی کا پاسباں کہتی ہیں۔

اس کے برخلاف نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے جنگ کے موقع پر جو اصول وہدایات عطا کیں ہیں وہ بھی ملاحظہ فرمالیں:

''نبی کریم ﷺ کا قاعدہ تھا کہ آپ ﷺ عورتوں، بچوں اور بوڑھوں کو قتل کرنے سے منع فرماتے تھے، جب سریہ بھیجتے تو ان لوگوں کو تاکید کر دیتے کہ منکرین خدا کو قتل کرنا ہو تو مثلہ نہ کرو یعنی ان کے جسم کے اعضاء کو نہ بگاڑو، کفار سے جب کچھ معاہدہ کرو تو بد عہدی نہ کرو، عورتوں، بچوں اور بوڑھوں کو قتل نہ کرو، آپ ﷺ یہ بھی حکم دیتے کہ جس بستی یا قبیلہ سے اذان کی آواز سنی جائے یا اسلام کی کوئی علامت معلوم ہو، وہاں حملہ نہ کیا جائے اور جو شخص کلمہ پڑھ لیتا گو اس نے تلوار کے خوف ہی سے پڑھا ہو' اس کو قتل کرنے سے منع فرماتے تھے، نبی کریم ﷺ نے غزوۂ حنین میں اپنے اصحاب ورفقاء کو حکم دیا کہ کسی بچہ، عورت، مرد یا غلام جو کام کاج کے لیے ہو ہاتھ نہ اٹھایا جائے، آپ ﷺ نے ایک عورت کے قتل پر جو حنین میں ماری گئی افسوس کا اظہار کیا، نبی کریم ﷺ کی اس اعلیٰ ترین تعلیم وتربیت ہی کا اثر تھا کہ خلفاء راشدین کے عہد میں اگرچہ عراق و شام، مصر وعرب اور ایران وخراسان کے سیکڑوں شہر فتح کیے گئے مگر کسی جگہ بھی حملہ آوروں، جنگ آزماؤں، یا رعایا کے ساتھ اس طرح کی سختی اور زیادتی کا برتاؤ نہیں ملتا جو اس زمانہ کی جنگوں میں رائج تھا، مغلوب دشمن سے تاوان جنگ لینے کا بھی کہیں اندراج نہیں ملتا۔

حضرت مولانا سید محمد رابع حسنی ندویؒ لکھتے ہیں:

''مسلمانوں کی جنگوں کو مسلمانوں کا ظالمانہ عمل کہنے والوں کے سامنے یہ حقیقت واضح کرنے کی ہے کہ تمام جنگوں میں جو انسانی رواداری اور حسن اخلاق کا معاملہ رہا' اس کا دوسرے مذہبوں اور تمدنوں کے درمیان ہونے والی جنگوں میں پیش آنے والے حالات سے موازنہ کیا جائے تو حیرت ناک نمونہ سامنے آتا ہے، اسلام کے علاوہ کوئی بھی مذہب، کوئی بھی قوم، کوئی بھی معاشرہ، سوسائٹی اور امن کے لیے کوشاں کوئی ادارہ آج تک اس طرح کا امن پسندی اور حق طلبی کا انقلاب برپا نہیں کر سکا اور یہ انقلاب بھی ایسا انسانی انقلاب تھا کہ اس کے نتیجہ میں حضور ﷺ نے ایسے نظام کی بنیاد رکھ دی جس کی برکات صدیاں گزر جانے کے بعد بھی انسانی سینوں میں محسوس کی جاسکتی ہیں۔''

مغربی تہذیب جرم، تشدد، خونریزی، اور سفاکی پر مبنی ہے، یہ تہذیب اپنے مقاصد کی تکمیل کے لیے کسی بھی حد تک جانے کو تیار ہے، اگر اس تہذیب سے انسانی معاشرہ کو بچانا ہے تو وہ اسلامی صفات پیدا کرنی ہوں گی جو قرن اول میں صحابہ کرام رضی اللہ عنہم نے آپ صلی اللہ علیہ وسلم کی صحبت میں رہ کر پیش کی تھیں، اسلامی اقدار، اسلامی اخلاق اور اسلامی نظام زندگی کو پیش کرنا ہوگا، اگر انسان یہ چاہتا ہے کہ اس کا خاندانی نظام باقی رہے تو اس کو اسلامی نظام کو اپنانا ہوگا۔

رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی خارجہ حکمرانی

محمد نجم الدین ندوی

رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی سیاسی زندگی سیرت نبوی کا ایک اہم و بنیادی عنصر ہے، سیاست کے معنی میں اصلاح و درستی کا حقیقی پہلو پنہاں ہے، اس لفظ کے معنی میں ذات، معاشرہ اور حکومت کی اصلاح کی صفتیں پائی جاتی ہیں، یہی وہ وجہ ہے کہ جس کی اساس پر حدیث میں ارشاد ہوا ہے:

”كانت بنو إسرائيل تسوسهم الأنبياء، كلما هلك نبي خلفه نبي، وإنه لا نبي بعدي وسيكون خلفاء.“

(جامع البخاری: ۳۲۸۴)

(بنی اسرائیل کی حکمرانی وقیادت پیمبر فرماتے تھے، جب کوئی پیمبر وفات پا جاتا تو اس کی جگہ دوسرا آجاتا، بیشک میرے بعد کوئی نبی نہیں، البتہ خلفاء ہوں گے۔)

حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی سیاسی فکر ونظر کی فہم وادراک کی خاطر دیگر نظام ہائے سیاست پر ایک اچٹتی نظر بھی کافی ہے کہ عیسائیت میں دین اور سیاست کے مابین تفریق وامتیاز کی دیوار حائل کردی اور دین وسیاست کے باہمی رشتہ میں بالکلیہ تفریق ڈال کر بے تعلق کردیا اور یہ نظریہ حکمرانی دیا کہ خدا اور قیصر کے حقوق الگ الگ ہیں، بایں سبب ”دع ما لقيصر لقيصر وما لله لله“ میں وہ نظریہ صاف جھلک رہا ہے۔ اس کے برعکس اسلام کا تصور حکمرانی جسے اللہ کے رسول علیہ السلام نے متعارف کرایا کہ زمین کا مالک وحاکم اللہ ہے اور انسان کی حیثیت صرف امین اور خلیفہ کی ہے، اللہ کے رسول نے پورا ایک سیاسی نظام دیا، اس سلسلہ میں بھی ذات قدسی صفات اسوۂ حسنہ ہے، تیرہ سال مکہ میں دشمنان دین متین کے درمیان رہ کر کسی بھی سیاسی سرگرمی میں حصہ نہیں بنے بلکہ مکہ مکرمہ میں دعوتی مہم میں شب وروز ہمہ تن مصروف رہے، لوگوں کو اسلام کا جانفزا پیام سناتے رہے اور اس کے بعد مدینہ میں آکر آپ نے ریاست مدینہ کی بناڈالی پھر دس سال ریاست کے حاکم وسربراہ اعلیٰ کی حیثیت سے حکومت فرمائی اور نیا و پائیدار انقلاب برپا کردیا، دنیائے انسانیت کو ایک ہمہ گیر وصالح اور رہنما عالمی نظام حکمرانی سے متعارف کرایا اور اس کو عملی شکل میں پیش کرکے اس نظام کو اپنانا آسان کردیا۔

انقلاب نبوی کا اساسی مقصد اقامت دین ہے، اسی انقلاب سے نظام ہائے باطل اور تمام ادیانِ عالم پر سیاسی فتح وغلبہ (Political power) حاصل ہوتا ہے جس کا اثر معاشی نظام مستحکم اور معاشرتی تحفظ کی شکل میں ظاہر ہوتا نظر آتا ہے کیوں کہ ان کی اساس دین ومذہب ہے، سیاسی ومعاشی اور معاشرتی انقلاب سے گریز ہوکر دینی ومذہبی انقلاب لایا جائے تو اس میں استقلال ودوام کا پہلو کھوکر دیرپا نہیں ہوسکتا، یہی حال اس وقت بھی ہوتا ہے جب اس کے برعکس ہو، اس صورت میں بڑی ناہمواری اور معاشرتی طبقات پر ظلم وجبر کا سایہ دور تک رہتا ہے اور اثر ورسوخ میں کوئی پائنداری نظر نہیں آتی، تاریخ میں اس کی مثالیں ملتی ہیں، سیرت نبوی میں ہمیں پوری رہنمائی ملتی ہے کہ نبوی معاشرہ کی تشکیل اور عادلانہ سیاسی نظام کو برپا کرکے نبی ﷺ نے سیاسی ظلم وجبر، معاشی دباؤ اور استبداد، معاشرتی اتار چڑھاؤ اور ناہمواری کا خاتمہ کیا، سیاسی انقلاب نبوی کے ذریعہ حقوق کی آزادی حاصل ہوئی، نبی ﷺ نے ہجرت مدینہ کے پہلے ریاست کی بناڈالی، فکر وعمل میں ایک انقلاب برپا کردیا اور اس میں نبی ﷺ کے سیاسی کردار کی ہمہ گیری نے نمایاں ہوکر جہانِ آب وگل کو دکھلا دیا کہ نظام سیاست کیونکر ہو۔

سیاست کے داخلی امور کی جہاں اہمیت اور اس کی فکر ناگزیر ہے وہیں امور خارجہ پر بھی فکر وعمل ملک وریاست کی سالمیت کی خاطر

ضروری ہے، یہی وجہ ہے کہ مدینہ میں اسلامی ریاست کا آغاز ہوا تو اسی ریاست میں پُر امن بقائے باہمی کے تئیں تحریری معاہدہ دیگر ادیان و مذاہب کے متبعین (Followers) کے مابین ہوا، تاریخ وسیرت میں جو "میثاق مدینہ" (Charter of Madinah) کے نام سے جانا گیا ہے، اسی طرح صلح حدیبیہ بھی نہایت اہم معاہدہ اور پرامن بقائے باہمی کی حکمت آمیز پالیسی ہے، جسے بعض سیرت نگاران نے "عہد نبوی کی سیاست خارجہ کا شاہکار" قرار دیا ہے، ان میں اور سربراہان عالم اور شاہان حکومت کے نام خطوط ومکاتیب نبوی میں خارجی وداخلی سیاست اور بین الاقوامی تعلقات وسفارت کاری کے اہم وبنیادی اصول اور طریقہ کار موجود ہیں جو اسلامی ریاست کی فکری وعملی بنیادوں کے لیے سنگ میل ہیں۔

خارجی سیاست (Foreign Policy) کا ایک اہم پہلو اور بنیادی حکمت عملی (Strategy) خدا کی زمین پر الٰہی دین کا غلبہ وتسلط ہے، قرآن پاک میں ارشاد ہوا ہے:

﴿هُوَ الَّذِىٓ أَرْسَلَ رَسُولَهُ بِالْهُدَى وَدِينِ الْحَقِّ لِيُظْهِرَهُ عَلَى الدِّينِ كُلِّهِ﴾

(وہی وہ ذات ہے جس نے اپنے رسول کو ہدایت اور دین حق کے ساتھ بھیجا تا کہ اس کو ہر دین پر غالب کردے)

بایں وجہ اس کی برتری وغلبہ کے حصول میں مادی اور معنوی طاقت کا استعمال بھی ہوا، تا کہ روئے زمین پر خدائے یکتا وتنہا کی خدائی ہو اور اللہ کے باغی سرنگوں ہوں اور عظمت وعزت سے زیست کا حق حاصل نہ ہو، کیونکہ ارشاد الٰہی ہے:

﴿حَتَّى يُعْطُوا الْجِزْيَةَ عَن يَدٍ وَهُمْ صَاغِرُونَ﴾

(یہاں تک کہ وہ (اپنے) ہاتھ سے جزیہ دیں اس حال میں کہ وہ بے حیثیت ہوں۔)

اس عظیم مقصد کے حصول کی خاطر عملی جدوجہد، جنگ ومعرکہ طویل وصبر آزما سلسلہ وجود میں آیا جس سے مسلمانوں کی رگوں میں خون گرماتا رہا ہے۔

نبی صلی اللہ علیہ وسلم کی سیاسی زندگی میں خارجی پالیسی پر اور نظر ڈالی جائے تو وہاں معاہدہ شکنی اور حکم عدولی کے خلاف لائحہ عمل اور پالیسی موجود ہے، معاہدہ کی پاسداری پر اہل ایمان کاربند رہے، لیکن اگر فریق ثانی کی جانب سے معاہدہ شکنی اور حکم کی پامالی پائی گئی تو اس پر آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے رد عمل اور جوابی کاروائی کی۔ یہودیوں کا سب سے بڑا مرکز عہد نبوی میں مدینہ اور خیبر ہے جہاں یہودیوں کے متعدد قبائل آباد تھے، مگر یہود یثرب کی جلاوطنی ان کے حکم عدولی کی بنا پر ہوئی، یہود خیبر کو معاہدۂ امن وامان پر برقرار رکھا گیا، یہاں تلمودی قانون کی بالادستی (حکومت) تھی، کتاب "محمد اینڈ دی جیوز" (اردو) میں تصریح ملتی ہے۔

سیاست خارجہ کی ایک اہم پالیسی ہمیں سیرت نبوی میں ملتی ہے اور قرآن میں اس کی شرح دستیاب ہے کہ ہجرت کے بعد مسلمانوں اور اہل مکہ کے مابین معرکہ حق وباطل غزوۂ بدر پیش آیا جو پہلا مقابلہ تھا، اس میں تین سوتیرہ مسلمانوں نے نبی صلی اللہ علیہ وسلم کی سرکردگی میں سخت ترین مقابلہ میں اہل مکہ کو بری شکست دی، جس میں مقتولین مکہ کی تعداد ستر سے کم نہیں تھی، علاوہ اس کے اتنی ہی تعداد میں ستر آدمی اسیر ہوکر مدینہ لائے گئے، ان کے ساتھ اعلیٰ ترین اخلاقی برتاؤ وسلوک کیا گیا، اسیران بدر تین تین چار چار کر کے صحابہ کو حوالے کیے گئے، انہوں نے ان قیدیوں کے ساتھ اپنوں سا برتاؤ کیا۔ بعض بعض قیدیوں کی سرگزشت احادیث اور تاریخ و سیرت کی کتابوں میں ملتی ہیں، جن لوگوں نے شعب ابی طالب میں نبی ﷺ اور ان کے اصحاب کو محصور رکھا اور اتنا پریشان کیا ستایا کہ ترک وطن کرنے پر مجبور ہو گئے ان کے ساتھ ایسا معاملہ احسان کا کیا کہ چشم فلک نے کبھی نہیں دیکھا کہ فاتح حکمراں کہہ رہا ہو کہ

"لا تثريب عليكم اليوم، اذهبوا فأنتم الطلقاء" (آج تم پر کوئی اور کسی قسم کی زبردستی نہیں، جاؤ کہ تم سب آزاد ہو۔)

نبی علیہ السلام نے دیگر فاتح حکمرانوں کی طرح فتح وکامرانی کے وقت غیض وغضب اور قتل وغارتگری کے بجائے اعلیٰ اخلاق

کرداراورنرم دلی کا مظاہرہ فرمایا، یقیناً یہ تاریخ عالم کا ارمغانِ نایاب ہے جس کی مثال دنیا آج تک پیش نہیں کرسکی اور نہ کرسکتی ہے۔ یہاں اس بات کا اظہار غیر مناسب نہیں کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم کی تئیس سالہ کاروان حیات میں مکی زندگی ہو یا مدنی، دونوں میں مخالفین اور دشمنوں کے لیے الگ اصول نہیں ملتے بلکہ یکساں نظر آتے ہیں، نرم مزاجی اور مدارات کا معاملہ رہا، گرچہ کہیں مصلحت کی خاطر کوئی دوسری صورت نظر آئے اور یہ کہ نبی ﷺ پر جنگ مسلط نہ کی جاتی تو صلح اور معاہدوں کے ذریعہ حفاظتی تدبیر کی جاتی، جب کسی طرح کوئی شکل نکلتی نظر نہ آتی تو اسلامی ریاست کی بقا اور مسلم امہ کے تحفظ کے تئیں دفاعی پوزیشن (Defensive Position) اختیار فرمائی۔

بہر حال نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے ایک ایسا نظام حکمرانی قائم کردیا جو نمونہ اور مثالی تھا۔ ڈاکٹر حمید اللہ نے لکھا کہ

''جس میں کبھی کوئی حکومت قائم نہیں ہوئی تھی، اس میں پیدا ہونے اور پرورش پانے کے باوجود آنحضرت ﷺ نے جو دستور مملکت مرتب کیا اور جو نظام حکمرانی قائم فرمایا، اس پر عمل دنیا کی عظیم الشان مملکت کے لیے نہ صرف ہر طرح کارآمد و کافی ثابت ہوا بلکہ جب تک اس پر عمل رہا، وہ دنیا کی مہذب ترین حکومت بنی رہی۔''

(رسول اکرم کی سیاسی زندگی: ۱۵، مطبوعہ دہلی)

اور اعدائے اسلام گواہی دینے پر مجبور ہیں کہ

''نبی ﷺ کی سیاسی کامیابی ایک معجزہ (Miracle) معلوم ہوتا ہے۔''

امریکی رائٹر مائیکل ہارٹ نے سب سے زیادہ دنیا کے سو بااثر افراد کی فہرست میں اولین جگہ ''رسالت مآب صلی اللہ علیہ وسلم'' کے نام مبارک رکھ کر اس کا سبب یہی بتایا:

''یہ واحد تاریخی ہستی ہے جو مذہبی اور دنیاوی دونوں محاذوں پر برابر طور پر کامیاب رہی۔۔۔۔ وہ ایک انتہائی مؤثر سیاسی رہنما بھی ثابت ہوئے، آج تیرہ سو برس گزر جانے کے باوجود ان کے اثرات انسانوں پر ہنوز مسلم اور گہرے ہیں۔''

(سو عظیم آدمی: ۲۵، لاہور)

سیرت رسول اکرم ﷺ

حافظ محمد عادل حسنی

حضرت محمد مصطفیٰ ﷺ اللہ تبارک وتعالیٰ کے آخری نبی اور رسول ہیں، آپ ﷺ کی ولادت مکہ مکرمہ میں ۱۲/ربیع الاول کو ہوئی، آپ ﷺ کا تعلق قریش کے مشہور خاندان بنوہاشم سے تھا، والد کا عبداللہ اور والدہ کا نام آمنہ تھا۔ والد کی وفات آپ ﷺ کی پیدائش سے قبل ہوگئی تھی اور جب آپ چھ برس کے ہوئے تو والدہ بھی انتقال فرما گئیں، یتیمی کی حالت میں دادا عبدالمطلب اور پھر چچا ابو طالب نے آپ کی پرورش کی، حضور ﷺ نے ہمیشہ سچائی، دیانت داری اور اچھے اخلاق کا مظاہرہ کیا، مکہ کے لوگ آپ ﷺ کو صادق اور امین کے لقب سے یاد کرتے تھے، چالیس برس کی عمر میں آپ ﷺ پر اللہ کی طرف سے وحی نازل ہوئی اور آپ کو نبوت عطاء کی گئی، آپ ﷺ نے لوگوں کو توحید، عدل، بھائی چارے اور اخلاق حسنہ کی دعوت دی۔ کفار مکہ نے آپ ﷺ کی بہت مخالفت کی، طرح طرح سے آپ ﷺ کو تکلیفیں پہنچائی لیکن آپ ﷺ نے صبر اور حکمت سے دین اسلام پہنچایا اور دیکھتے دیکھتے عرب کی سرزمین توحید و رسالت کے نعروں سے گونجنے لگی، لوگ ہدایت اور ابدی کامیابی سے ہمکنار ہونے لگے اور ان کی قربانیوں سے دین اسلام عرب سے نکل کر عجم پہنچا اور اس کی کرنوں سے پوری دنیا روشن ہوگئی، ہم سیرت رسول اکرم ﷺ سے اپنی زندگی بنانے کے پابند ہیں۔ خدا ہمیں توفیق سے نوازے۔ آمین!

کی محمد سے وفا تو نے تو ہم تیرے ہیں
یہ جہاں چیز ہے کیا لوح و قلم تیرے ہیں

گذشتہ سے پیوستہ

دعوتِ دین اور جدید ذرائع ابلاغ

عبدالعلی حسنی ندوی

آشفتہ سروں کی اس دنیا میں بات ہورہی ہے ایک البیلے شاہکار کی جس نے ایک جانب بحث وتحقیق، دعوت وتبلیغ اور افادہ واستفادہ کی راہوں کو انتہائی ہموار بنادیا ہے اور علم وآگہی کی منزلوں تک رسائی آسان کردی ہے، جو کام ایک عرصہ پہلے شدید جستجو، تفتیش وطلب اور تلاش بسیار کے بعد انجام پاتا تھا' وہ گھڑی کی چوتھائی میں بغیر کسی خاص تگ ودو کے پایہ تکمیل کو پہنچ جاتا ہے، دو چار دفعہ کے کلک سے مطلوبہ مضامین اسکرین پر نمودار ہوجاتے ہیں اور گھنٹوں کا کام چٹکیوں میں طے پاتا ہے، چنانچہ ایک طرف تو تن ومن کی یہ آسانیاں ہیں تو دوسری طرف اس راہ پر خطر کی خاردار جھاڑیاں اور رطب ویابس کا ایسا طومار ہے کہ ہماشا کی گم گشتگی یقینی ہے کیونکہ بھانت بھانت کے قلمکار، خودساختہ دانشور اور اسلام کی روح سے ناآشنا دعویداران اسلام بے دریغ اپنا اپنا مواد اس میں جھونک رہے ہیں، چنانچہ سطحی علم کے حامل کسی فرد کا اس پر انحصار موجب تباہی ہے، البتہ ایک صاحب علم داعی اس خارزار میں اگر پھونک پھونک کے قدم رکھے تو فریضہ دعوت دین کے سلسلہ میں اس چھیل چھبیلی اور البیلی ایجاد سے بقدر ضرورت حظ اٹھا سکتا ہے، چنانچہ اس سلسلہ میں سب سے بڑھ کر کوشش یہ ہونی چاہیے کہ مصنوعی ذہانت (artificial intelligence) کے اہم ترین اور مؤثر ترین ذیلی پلیٹ فارم اور اس کے چیٹ بوٹ (chat bot) چیٹ جی پی ٹی (chat gpt) کو وافر مقدار میں ایسا مستند اور معتبر ڈیٹا (data) مہیا کیا جائے جو نئی نسل کی تشکیل ذہنی میں مفید اور کارآمد رول ادا کرسکے کیونکہ یہ بات اظہر من الشمس ہے کہ نوخیزوں کی ایک بڑی کھیپ دین کو براہ راست اخذ کرنے پر اتاولی ہے اور جانے انجانے میں مصنوعی ذہانت کو اپنا اتالیق بنا بیٹھی ہے، تو ایک طرف ٹیکنالوجی کے تئیں اس معہود ذہنی اور حد سے متجاوز مرعوبیت کے سدباب کے لیے خاطر خواہ کوششیں ہونی چاہئیں اور مصنوعی ذہانت کے فوائد ونقصانات سے انہیں آگاہ کرنا چاہیے وہیں دوسری جانب یہ بات بھی ذہن نشین ہونی چاہیے کہ مصنوعی ذہانت کوئی طلسماتی طاقت یا گنجینہ پراسرار نہیں بلکہ محض ایک آلہ کار ہے جو انسانوں کی فراہم کردہ معلومات سے ایک آمیزہ تیار کرکے سپرد سائل کردیتا ہے، اب یہ آمیزہ کبھی خس وخاشاک کا ملغوبا اور چوں چوں کا مربہ ثابت ہوتا ہے تو کبھی مستند معلومات کا خزینہ اور کبھی گڈمڈ اور متضاد خیالات کا مجموعہ، چنانچہ جیسے ہم دیگر ڈیجیٹل ذرائع ابلاغ سے فائدہ اٹھاتے ہیں ویسے ہی مصنوعی ذہانت سے بھی فائدہ اٹھا سکتے ہیں اور اس آلہ کار کو خدمت دین اور دعوت اسلام کے لیے کارآمد بنا سکتے ہیں، اس سلسلے میں سوشل میڈیا پر جو خدمات سرانجام دی جارہی ہیں انہیں مصنوعی ذہانت کے ذریعہ مہمیز کیا جاسکتا ہے اور صوتی اور عکسی ترمیمات بہتر انداز سے اور فوری طور پر انجام دی جا سکتی ہیں، صوتی کتابیں بغیر کسی دستی مدد کے تیار کی جاسکتی ہیں، کسی ایک زبان کی تحریر کو دوسری قوموں تک پہنچانے کے لیے مختلف زبانوں میں ذرا سی نوک پلک درست کرکے بآسانی منتقل کیا جاسکتا ہے، ایسی ویب سائٹس تیار کی جاسکتی ہیں جن کے توسط سے نوجوان نسل کے قلب ودماغ پر چسپاں شکوک وشبہات کے جان لیوا بلکہ ایمان لیوا وائرس کا ازالہ کیا جاسکے اور اسلام پر وارد ہونے والے سوالات کے تشفی بخش جوابات پیش کیے جاسکیں نیز قلیل المدتی برقی مواصلاتی کورسز کے ذریعہ مرتب طور پر اور عصری تقاضوں سے ہم آہنگی کے ساتھ انہیں اسلامی تعلیمات سے روشناس کرایا جاسکتا ہے، اسی طرح برقی ذرائع ابلاغ پر اسلامی کوئز اور مقابلہ جاتی گیمز

کے ذریعہ بھی اسلام کی صحیح ترجمانی کی جاسکتی ہے اور اسکول کے بچوں کو اس طرح کی دیگر دلچسپ سرگرمیوں کے ذریعہ اسلام کی طرف راغب کیا جاسکتا ہے، اس کے علاوہ آنلاین اسلامی پروگراموں کے دیدہ زیب برقی اشتہارات تیار کرنے میں بھی اے آئی سے مدد لی جاسکتی ہے جو نوجوانوں کے لیے باعث کشش اور لائق توجہ ہو، مزید برآں علماء و دانشوران اور اصحاب علم و فضل حدیث و تفسیر کی ہزاروں کتابوں کا لب لباب اور من چاہا مواد اور حوالوں کو چند کلکس میں اپنی نگاہوں کے سامنے دست گرفتہ پاتے ہیں اور شب و روز بغیر کسی چھٹی کے یہ خدمت گذاران کی خدمت کے لیے مستعد رہتا ہے۔

خلاصہ یہ کہ اے آئی (artificial intelligence) دیگر برقی اداروں (digital platforms) کی طرح ایک دودھاری تلوار ہے جس کا درست استعمال دعوتی تعلیمی اور تحقیقی سرگرمیوں کو مزید مؤثر اور برق رفتار بنا سکتا ہے، اس ٹیکنالوجی کو اسلامی اصولوں کے مطابق استعمال کرکے وسیع وعریض پیمانے پر خدمت دین انجام دی جاسکتی ہے اور نسل نو میں اسلام کی صحیح روح پھونکی جاسکتی ہے، البتہ اسکا غلط استعمال انسان کو ایسے گہرے گڑھے میں پھینک دیتا ہے جہاں سے واپسی کی راہیں انتہائی دشوار گذار ہوجاتی ہیں، چنانچہ بالغ نظری اسی میں ہے کہ ہماری توجہات حقائق حالات اور نت نئے تحدیات (challenges) کی طرف منعطف ہوں اور ہماری توانائیوں کا بڑا حصہ ان خارجی عوامل وطاقات، خطرات وتحدیات سے مقابلہ آرائی اور نبرد آزمائی بلکہ ان وسائل کے اسلامائزیشن کی کوششوں میں صرف ہو اور علماء امت اور داعیان اسلام بطور خاص مغربی تہذیب کی حقیقت اور اس کے سنگین اثرات وزہرناکی سے آگاہ ہوں کہ نور ایک ہے اور ظلمتیں بے شمار، جس نے موجودہ دور میں مابعد جدید ٹیکنالوجی (ultra modern technology) کے سہارے عالم اسلام کے دینی ملی اور روایتی تشخص پر اپنی کمند کس لی ہے اور اپنی تہذیبی یلغار سے عالم اسلام کو فکری اور ذہنی ارتداد کے دہانے پر لا کھڑا کیا ہے اور پورے نظام اسلام کو سبوتاژ کرنے پر آمادہ ہے، چنانچہ ضرورت اس بات کی ہے کہ ہم اپنے نوجوانوں کو اس ٹیکنالوجی کے رحم وکرم پر چھوڑنے کے بجائے اس کے اسلامائزیشن کی فکر کریں اور اس کے سامنے بے بس ہونے کے بجائے اسے اپنے بس میں کرنے کی کوشش کریں اور کثیر تعداد میں ایسے مستند اور معتبر پلیٹ فارمز تیار کریں جہاں علم دین کے پیاسے اپنی پیاس بجھاسکیں اور گم گشتگان راہ صحیح راہ پاسکیں۔

دعوت کا جذبہ

مولانا اسحاق جلیس ندویؒ

’’وسائل آمد و رفت اور ذرائع مواصلات اس دور کے مقابلے میں قرن اول میں گویا کچھ نہیں تھے مگر اس کے باوجود جس تیزی سے اس دین حق کی دنیا میں اشاعت ہوئی، وہ اپنوں اور غیروں کے لیے حیرت انگیز ہے۔ اس کامیابی کا راز یہ تھا کہ ہر مسلمان چاہے وہ تاجر ہو یا مزدور، آقا ہو یا غلام، عالم ہو یا عامی، دعوت کے جذبے سے سرشار تھا____ مگر آج دنیا کے ۷۰؍کروڑ سے زائد مسلمان اس مشن کو فراموش کرنے کے نتیجہ میں اپنی داعیانہ حیثیت اور مقام کو کھو چکے ہیں۔ اگر زندگی کے تمام شعبوں میں پھیلے ہوئے آج کے مسلمان اپنے اس مقصد کو پیش نظر رکھ کر کام کریں گے تو آج بھی دنیا میں ﴿يَدْخُلُونَ فِي دِينِ اللَّهِ أَفْوَاجاً﴾ اور ’’پاس باں مل گئے کعبے کو صنم خانے سے‘‘ کا منظر نظر آجائے۔ مسلمان، ڈاکٹر، انجینئر، پروفیسر، طالب علم، کاری گر، مزدور، تاجر، سرمایہ دار اور غریب، غرض مسلمان اپنے اپنے مقام و ماحول کو اقامتِ دین اور تبلیغ اسلام کی حکیمانہ جد و جہد سے بدل سکتا ہے۔‘‘

(بحوالہ: تعمیر حیات، ۲۵؍اکتوبر ۱۹۶۴ء)

ظہور قدسی کا پیام

محمد مصعب ندوی بارہ بنکوی

ربیع الاول کا مبارک مہینہ شروع ہو رہا ہے، ساڑھے چودہ سو سال ہوئے اسی ماہ کی ۱۲؍تاریخ (بعض سیرت کی کتابوں کے مطابق ۹؍تاریخ) عرب کے تپتے ہوئے صحراء میں، ہاشمی گھرانے میں، آفتابِ رسالت، نبی امی ﷺ کا ظہور ہوا، اس سے زیادہ مبارک اور مقدس واقعہ روئے زمین پر کبھی پیش نہیں آیا، کیونکہ حضرت عیسیٰ مسیح علیہ السلام کو دنیا سے رخصت ہوئے ساڑھے پانچ سو سال گزر چکے ہیں، انسانیت بغیر کسی ہادی و رہنما کے گمراہی کے دلدل میں پھنسی ہوئی ہے، معبود حقیقی کے دربار سے جبینیں ہٹ چکی ہیں، کسی ایک ملک کی قید نہیں مشرق سے لے کر مغرب تک، شمال سے لے کر جنوب تک سارے عالم میں فساد برپا ہے، دنیا ﴿ظَهَرَ الْفَسَادُ فِي الْبَرِّ وَالْبَحْرِ﴾ کی تصویر بنی ہوئی ہے، فساد بھی ایسا کہ کیا مہذب کیا غیر مہذب، کیا پڑھا لکھا کیا ان پڑھ، ہر ملک، ہر طبقہ ظالم بنا ہوا ہے، خون پانی سے زیادہ ارزاں ہے، انسانی جان بے وقعت ہو چکی ہے، دل پتھر سے زیادہ سخت ہیں، ﴿فَهِيَ كَالْحِجَارَةِ أَوْ أَشَدُّ قَسْوَةً﴾ کے مصداق بنے ہوئے ہیں، قریب ہے کہ انسانیت خود اپنے آپ کو تباہ و برباد کر لے، جس کو قرآن کریم نے ﴿وَكُنْتُمْ عَلَىٰ شَفَا حُفْرَةٍ مِنَ النَّارِ﴾ کہہ کر بتلایا ہے، اخلاقی زوال کا یہ عالم کہ سارے سماج سے بدبو پھوٹ رہی ہے، تاریخ دانوں نے اس وقت کے منظر نامے پر بہت کچھ لکھا ہے، اسی منظر کو افراط و تفریط سے پاک قرآن مقدس نے ایک جملہ میں بیان کیا: ﴿وَإِنْ كَانُوا مِنْ قَبْلُ لَفِي ضَلَالٍ مُبِينٍ﴾ بس کھلی ہوئی گمراہی میں مبتلا تھے، یہ حالت کل عالم کی ہے، سارا جہان بیمار ہے، مگر سرزمین عرب کینسر کے مرض میں مبتلا ہے، اس وقت درد کا درماں کرنے کے لیے، مری ہوئی انسانیت کو پھر سے زندہ کر دینے کے لیے، تاریکی میں بھٹکے ہوئے کو راہ منور دکھانے کے لیے اس مسیح کامل، رہبر حق نما (ﷺ) کا ظہور ہوتا ہے جس کے انتظار میں ہزار ہا برس سے ارض و فلک اپنی آنکھیں کشادہ کیے ہوئے تھے، جس کے لیے بزم کائنات آراستہ کی گئی تھی، جس کی خاطر کون و مکاں کی تخلیق ہوئی تھی، جس کو وجود میں لانے کے لیے چاند کو چاندنی، آفتاب کو چمک، ستاروں کو حسن اور سیاروں کو گردش ملی، جس کی وجہ سے قوس وقزح کو رنگت، شبنم کو ٹھنڈک، پھولوں کو نکہت، کلیوں کو نزاکت بخشی گئی، جس کے لیے پانی کو روانی، ہواؤں کو خنکی، صبح کو روشنی، شفق کو لالی، شام کو سکون عطا کیا گیا، جس کے وجود کے باعث پہاڑوں کو ہیبت، صحراؤں کو وسعت، سمندروں کو سکوت، موجوں کو بے قراری اور کائنات کو حسن و جمال سے نوازا گیا یعنی کہ وہ خلاصہ کائنات، شان عرب، فخر عجم، سرور ذی حشم، عبد اللہ کا بیٹا، آمنہ کا لال، احمد مجتبیٰ، محمد مصطفیٰ ﷺ مکہ کے ایک شریف گھرانے، بی بی آمنہ کی گود میں عزت و جلال کے ساتھ تشریف فرما ہوئے، نور علیٰ نور کی نورانی فضا قائم ہوئی، ستارے بام فلک سے گویا قدم بوسی کو جھکے، سارا عالم سمٹ کر سامنے آ گیا، ذرہ ذرہ روشن ہوا تھا، بنجر زمین لہلہا اٹھی، آتش عجم بجھ گئی، معبودان باطلہ کی عزتیں پامال ہو گئیں، لات وعزیٰ کی عظمتیں لٹ گئیں، بتکدوں میں خاک اڑنے لگی، قیصر وکسریٰ کے ایوانوں میں زلزلہ برپا ہوا، اب حق کا پیامبر، ہادیٔ انس وجاں، سید الانبیاء، رحمت دو جہاں ﷺ تشریف لے آئے ہیں۔

چالیس سال کی عمر ہونے پر نبوت کا اعلان ہوا، اس نبی مکرم کی دعوت سے سسکتی اور دم توڑتی انسانیت کو ایک نئی زندگی ملی، بھٹکے ہوئے لوگوں کو زندگی کا مقصد اور جینے کا سلیقہ ملا، بے قرار دلوں کو قرار آیا، غم کی ماری ہوئی دنیا کو سکون ملا، سارے عالم پر رأفت و رحمت کی چادر تنی، جس کی لائی ہوئی روشن اور پاکیزہ تعلیمات نے عرب وعجم کو منور کر دیا۔

اب سوال یہ کہ چودہ سو برس بعد کیا امت اپنے سردار، ہادئ ورہنما کی بتلائی ہوئی روشن شاہراہ پر گامزن ہے یا اس سے ہٹ کر غیروں کی بتلائی ہوئی تنگ وتاریک گلیوں میں ٹھوکریں کھاتی پھر رہی ہے؟ کیا امت پر اس کے نبی کی زندگی کا کچھ شائبہ باقی ہے؟ کیا آپ ﷺ دنیا میں اس لیے تشریف لائے تھے کہ امت فقط آپ کا نام لے کر جشن منالے اور آپ کے ابدی وآفاقی پیغام کو فراموش کر بیٹھے، ہماری ترقی کا راز محض زبان وبیان میں نہیں بلکہ ہمارے عمل میں مضمر ہے، عمل کا مطلب یہ ہے کہ ہم اپنی زندگی، اپنے رسول پاک صلی اللہ علیہ وسلم کے اسوہ پر ڈھال لیں، ہمارے نبی کبھی جھوٹ کے قریب نہیں گئے، ہم بھی سچے ہو جائیں، وہ صادق اور امین تھے، ہم بھی بھی سچائی اور امانت داری کو اپنا وصف بنالیں، بدتمیزی اور سختی کا ان کے پاس سے گذر تک نہ ہوا، ہم بھی نرم دل اور نرم مزاج ہو جائیں، وہ امت کے غمخوار تھے، اس کے لیے ہر وقت فکر مند رہتے تھے، ہم بھی قوم وملت کی اصلاح وفلاح کے لیے ہر وقت تیار رہیں، ہم ہر ہر معاملات میں ﴿لَقَدْ كَانَ لَكُمْ فِي رَسُولِ اللَّهِ أُسْوَةٌ حَسَنَةٌ﴾ سے سبق حاصل کریں، اسی نسخہ کیمیا میں ہماری دنیا وآخرت کی کامیابی کا راز پنہاں ہے۔

رسول اللہ ﷺ کا مجلسی دستور العمل

مولانا عبدالماجد دریابادیؒ

”رسول اللہ ﷺ کی نشست و برخاست خدا کے ذکر ہی پر ہوتی تھی اور جب آپ کسی مجمع میں تشریف لے جاتے تو جلسہ ہی کے کنارہ پر بیٹھ جاتے اور اسی کا حکم فرماتے، آپ ﷺ کی مجلس علم وحیا کی اور صبر وامانت کی مجلس ہوتی تھی، نہ اس میں آوازیں بلند ہوتی تھیں، نہ اس میں عزتوں پر حملے ہوتے تھے اور نہ اس میں لوگوں کی کمزوریاں شائع کی جاتی تھیں۔

اپنے رسول ﷺ کا مجلسی دستور العمل آپ نے سن لیا؟ ہر صحبت خدا ہی کے ذکر پر شروع ہوتی تھی اور خدا ہی کے ذکر پر ختم بھی، آپ کی ”زندہ دلی“ اور ”شگفتہ مزاجی“ آپ کو بھی کبھی اس کی اجازت دیتی ہے؟ آپ کو بھی اپنی دوستانہ اور بے تکلف مجلسوں میں کبھی ذکر الٰہی کی فرصت نصیب ہوتی ہے؟ حضور ﷺ جب کسی مجمع میں پہنچتے تو پاس ہی تشریف فرماتے تھے اور اسی کی تلقین دوسروں کو فرماتے تھے۔ آپ نے سنا؟ آپ کے سرور سردار محض کونین کے سرور وسردار جہاں کہیں تشریف لے جاتے، پیشوائی واستقبال کے انتظار میں نہیں رہتے تھے، اس کی خواہش نہیں فرماتے تھے کہ جس طرح بھی ممکن ہو لوگوں کو ہٹا کر، دھکا دے کر، صدر میں جگہ نکالی جائے، آپ کا عمل کبھی بھی اس کے مطابق رہا ہے؟ کتنی دوستیاں اسی بات پر نہیں ٹوٹ چکی ہیں کہ محفل میں آپ کے اندازہ وتمنا کے مطابق آپ کی آؤ بھگت نہیں ہوتی؟ اور آگے سنئے، حضور ﷺ کی مجلس علم وحیا کی مجلس ہوتی تھی، نہ اس میں آوازیں بلند ہوتی تھیں، نہ لوگوں کی پردہ دری ہوتی تھی، نہ کسی کے عیوب شائع کیے جاتے تھے، نہ کسی پر آوازے کسے جاتے تھے، نہ کسی کو بنایا جاتا تھا، نہ پھڑکتے ہوئے لطیفے، نہ قہقہوں اور تالیوں کی گونج، نہ کسی کی دل آزاری، نہ کسی کی غیبت، نہ کسی کی چغلی، نہ کسی کی پردہ دری، نہ کسی کی تحقیر، نہ کسی پر تعریض! نہ یہ اس پر فقرہ چست کر رہا ہے، نہ وہ اسے گفتگو میں بند کر دینے کی فکر میں ہے، نہ فضول گوئی نہ افسانہ خوانی، نہ یہ تذکرے کہ راجہ صاحب کا الیکشن خوب لڑا، گاما پہلوان نے کشتی خوب نکالی اور نہ یہ چرچے کہ ماسکو میں اب کی سال برف خوب پڑی اور لنکا میں ایک اژدہا بھڑیئے کو نگل گیا۔“ (سچی باتیں: ۱۷۰-۱۷۱)

ISLAMOPHOBIA

اسلاموفوبیا اور سیرتِ نبوی صلی اللہ علیہ وسلم

محمد ارمغان بدایونی ندوی

یونانی زبان میں ''فوبیا'' ڈر یا خوف کو کہتے ہے، تقریباً انیسویں صدی سے یہ لفظ اسلام کے ساتھ مل کر ''اسلاموفوبیا'' کی اصطلاح میں مستعمل ہے، جس کا مفہوم غیروں میں اسلام کا ڈر بٹھانا اور اسلام کے تئیں نفرت وعداوت کے جذبات کو مہمیز کرنا ہے، مشہور برطانوی مصنف Runnymede Trust نے 1997ء میں "Islamophobia: A Challenge for Us All" کے عنوان سے اپنی رپورٹ میں یہ بات لکھی تھی کہ

''اسلاموفوبیا کی مختصر اصطلاح سے مراد اسلام کا خوف وہراس یا اس سے نفرت کرنا ہے اور بطور نتیجہ تمام یا زیادہ تر مسلمانوں کے لیے نفرت وعداوت کے جذبات ہیں۔''

(Runnymede Trust, 1997 P: 1, Executive Summary)

عصر جدید کی وضع کردہ اصطلاحوں میں بظاہر یہ ایک نئی اصطلاح سمجھی جاتی ہے، تاہم اس کے تانے بانے بڑے قدیم ہیں، اسلام اور اہل اسلام کے خلاف بے جا خوف وہراس کا ماحول بنانا، نفرت کا بازار گرم کرنا، تعصب کی آگ بھڑکانا اور ملمع سازی سے کام لینا' ہر دور میں دشمنان دین کا شیوہ رہا ہے، لیکن اسلام کی یہ سب سے بڑی امتیازی خوبی ہے کہ وہ تیز وتند اور مخالف ومسموم ہواؤں کے باوجود ہر دور میں برگ وبار لاتا رہا اور پھلتا وپھولتا رہا ہے ۔

اسلام کی فطرت میں قدرت نے لچک دی ہے
اتنا ہی یہ ابھرے گا جتنا کہ دباؤ گے

یہ الگ بات ہے کہ ہر دور میں اسلام دشمنی کے وسائل ومظاہر تبدیل ہوتے رہے ہیں مثلاً: آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فاران کی چوٹیوں سے جب حق کی ندا لگائی تو آپ صلی اللہ علیہ وسلم کو ''صادق'' اور ''امین'' کہنے والوں نے (نعوذ باللہ!) جادوگر، شاعر، کاہن، مجنوں اور نجومی کہا، ہر طرح کی یاوہ گوئی کی، مختلف حربے اپنائے، پروپیگنڈے کیے، کلام الٰہی میں نقص نکالنے کی سعی نا تمام کی، احکام الٰہی اور اسلامی تعلیمات پر استہزا کیا، حقارت وذلت کی نگاہ سے دیکھا، صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کو ظلم وستم کا نشانہ بنایا، سماجی بائیکاٹ کیا، مشرکین مکہ کا یہ بغض وعناد اس حد تک پہنچ چکا تھا کہ وہ مکہ میں آنے والے ہر نو وارد کو حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی بات سننے سے ڈراتے، آگاہ کرتے اور کانوں میں روئی ٹھونس لیتے تھے، بالآخر مسلمانوں کو اپنے محبوب وطن سے ہجرت کرنے پر مجبور ہونا پڑا لیکن مدینہ جا کر بھی اسلام دشمن عناصر مٹ نہ سکے بلکہ منافقین اور یہود کے گروہ نے مسلمانوں کو بڑی اذیتیں دیں اور اسلام کے آہنی قلعہ میں رخنہ ڈالنے کے لیے آخری حد تک کوششیں کر ڈالیں۔

اس میں شبہ نہیں کہ عہد رسالت میں محدود وسائل کی بنا پر اسلام دشمنی کے یہ عناصر اور معاندانہ جذبات جغرافیائی لحاظ سے محدود تھے، یہ ممکن نہیں تھا کہ اسلام کے خلاف کوئی آوازہ کسا جائے اور وہ آن کی آن میں پوری دنیا کے اندر پھیل جائے، تاہم موجودہ دور کی ترقی پذیر دنیا میں وسائل کے تنوع نے عموم پیدا کر دیا ہے اور یہ بالکل آسان بات ہے کہ مغرب سے اٹھایا جانے والا ایک شوشہ لمحہ بھر میں پوری دنیا کے لیے دلچسپی کا ایک موضوع بن جائے، اسی لیے عصر حاضر میں اسلام دشمنی کی سنگینی بڑھ جاتی ہے، پھر اس کے ساتھ مسلمانوں کی غفلت اس سنگینی میں مزید اضافہ کر دیتی ہے۔

عہد نبویؐ میں جس طرح اسلام اور اہل اسلام کے خلاف ایک منفی فضا بنائی گئی، ان کے متعلق لوگوں کے ذہنوں کو مسموم کیا گیا، غلط فہمیاں پھیلائی گئیں اور اس کے لیے اس دور کے لحاظ سے وسائل بھی اختیار کیے گئے۔ ترقی یافتہ دنیا میں یہی فتنہ پروری جدید قالب اور جدید وسائل سے لیس ہو کر دنیا کے منظر نامہ پر سامنے آئی اور اس کو

اسلاموفوبیا کا نام دیا گیا، اس کا نتیجہ یہ ہوا کہ آج دنیا کے ہر خطہ میں تقریباً مسلمانوں کو اجنبی نگاہ سے دیکھا جاتا ہے، ان کی کردار کشی کی جاتی ہے، انہیں دہشت گرد قرار دیا جاتا ہے، رجعت پسند اور قدامت پسند کہا جاتا ہے، اسلام کی پاکیزہ تعلیمات پر قدغن لگانے کی کوشش کی جاتی ہے، انسانیت سوز حرکتوں میں مسلم چہروں کو ناحق پھنسایا جاتا ہے، عورتوں کے حقوق کی بات کہی جاتی ہے، اسلام کی روشن تاریخ پر سوالات قائم کیے جاتے ہیں اور ان سب چیزوں کو صحیح ثابت کرنے کے لیے زمین وآسمان کے قلابے ملائے جاتے ہیں۔

اسلام اور مسلمانوں کے خلاف اس نفرت انگیز طوفان کو ہوا دینے میں ٹیکنالوجی آگ میں تیل کا کام کررہی ہے، خاص طور پر میڈیا ہر سطح پر اپنا منفی کردار ادا کررہا ہے اور دجل وفریب کا سراپا بنا ہوا ہے، ایسی خبریں عام کی جاتی ہیں جن سے عمومی طور پر ایک مخالف فضا قائم ہو، ایسے کردار سامنے لاکر کھڑے کیے جاتے ہیں جن سے اسلام کی شبیہ داغ دار ہو اور بعض اوقات ٹی وی Debates میں ایسے نام نہاد مسلم چہرے لاکر بٹھائے جاتے ہیں جن سے اسلام اور مسلم سماج کی غلط ترجمانی ہو۔

یہاں طبعی طور پر یہ سوال قائم ہوتا ہے کہ آخر ہر دور میں مذہب اسلام اور مسلمان ہی دشمنوں کی مخالفت کا موضوع کیوں بنے رہے؟

اس کے جواب میں بہت سی باتیں کہی جاتی ہیں کہ بعض اوقات مخالفت کی بنا لاعلمی ہوتی ہے، یا وہ غلط پروپیگنڈہ کا نتیجہ ہوتی ہے، یا پھر وہ مخالفت تاریخی تعصّبات اور سیاسی مفادات پر مبنی ہوتی ہے، لیکن اس کا سب سے بنیادی سبب اسلام کا وہ امتیاز ہے جس سے دنیا کے دیگر مذاہب تہی دامن ہیں اور وہ نفسانی خواہشات، سیاسی مفادات اور ذاتی تقاضوں کے رہین منت ہیں، اس کے برخلاف مذہب اسلام واحد وہ مذہب ہے جس میں عالمی سطح پر بے نظیر وحدت کی قوت ہے، مساویانہ حقوق کا پورا نظام ہے، معاملات اور عدل وانصاف کا قیام اس کا جزو لاینفک ہے، امانت داری‘ ہمدردی‘ سماج سے بدعنوانی اور انسانیت سوز جرائم کی بیخ کنی اس کے ہر پیرو کا بنیادی فریضہ ہے، پھر سب سے بڑھ کر وہ کتاب وسنت کے قائم کردہ حدود کا پابند ہے‘ نہ کہ عقل انسانی اور ہوائے نفسانی کا۔ اگر دیکھا جائے تو اسلام کا یہ وہ جوہر ہے کہ اگر وہ اپنی پوری آب وتاب کے ساتھ طلوع ہوجائے (جس کا مشاہدہ قرون اولیٰ میں ہوا) تو دنیا کی تمام قومیں اس کی آغوش میں آکر دم لیں، دراصل یہی وہ خوف ہے جس نے پوری دنیا کو ہر دور میں اسلام دشمنی پر آمادہ اور بیدار رکھا ہے۔

موجودہ دور میں جبکہ فسطائی طاقتوں کی زہرافشانی اور منصوبہ بندی کی جڑیں بڑی گہری ہیں، ضرورت ہے کہ اسلام کے متبعین سیرتِ نبویؐ کی روشنی میں ایک مضبوط اور ٹھوس لائحہ عمل طے کریں، حضور اقدس ﷺ کی حیاتِ طیبہ سے ہمیں یہ معلوم ہوتا ہے کہ آپ ﷺ نے تبلیغ اسلام کی خاطر انتھک قربانیاں دیں، پیٹ پر پتھر باندھے، فاقے کیے اور بے وقعت وبے حیثیت اوباشوں تک کی کڑوی کسیلی سنی، ان سب باتوں پر آپؐ نے ضبط کیا، تحمل وبردباری سے پیش آئے اور صبر کا دامن مضبوطی سے تھامے رکھا، تاہم تبلیغ ودعوت کا مشن بہ تدریج جاری رکھا، اپنی زندگی کو کھپایا، حکمت کا اسلوب اپنایا اور سب سے بڑھ کر اخلاق وکردار کے ذریعہ اپنے اندر ایسی غیر معمولی کشش پیدا کی کہ جو اس کی زد میں آیا‘ وہ اسیر ہی ہوگیا، اسلام مخالف فضا کو بدلنے میں آپ ﷺ کی معاملہ فہمی اور مخاطب کی رعایت وحالات کی نزاکت کا ادراک بھی ایک نمونہ ہے، صلح حدیبیہ اس کی بہترین مثال ہے۔

عزم واستقلال اور ثبات قدمی کے ساتھ آپ ﷺ کی شبانہ روز ان محنتوں کا نتیجہ یہ ہوا کہ محض ۲۳؍ برس کے عرصہ میں جزیرۃ العرب کا نقشہ بدل گیا اور چہار دانگ عالم میں اسلام کے پھریرے لہرانے لگے۔

آج بھی ضرورت ہے کہ سیرت نبویؐ کی رہنمائی میں اسلاموفوبیا کا منصوبہ بند طریقہ پر جواب دیا جائے، مسلمان اپنی صفوں میں اتحاد پیدا کریں، اپنے مقام ومنصب کو سمجھیں، حکمت واخلاق کا وصف اپنائیں، جوش اور جذباتیت سے ہٹ کر سنجیدگی اور دوراندیشی کا مزاج بنائیں، پھر سب سے بڑھ کر یہ کہ وہ اپنے انداز گفتار وکردار سے یہ ثابت کردیں کہ اسلام ہی دنیا کا موزوں ترین واحد مذہب، سسکتی ہوئی انسانیت کے لیے آبِ شیریں اور اس کے درد کا درماں ہے۔

بے نظیر و بے مثال ہستی (صلی اللہ علیہ وسلم)

صحافی اسلام مولانا سید محمد الحسنیؒ

''سیرتِ محمدیؐ ملتِ ابراہیمیؑ اور ملتِ محمدیؐ کی تاریخ کا ایک ایسا درخشاں عنوان ہے جس نے اس کو انسانیت کی برادری میں ایک بے مثال و لازوال مرتبہ عطا کیا ہے۔۔۔۔۔ وہ کون ہے جس کی یاد اتنے بڑے پیمانہ پر، اتنی عقیدت کے ساتھ، اتنی عمومیت کے ساتھ، اتنے انتظار و اشتیاق کے ساتھ منائی جاتی ہو؟

کون ہے جس پر اتنی کثرت سے اور اتنی عقیدت و عظمت کے ساتھ درود و سلام بھیجا جاتا ہو؟

جس کی سیرت، حالات اور اخلاق پر اتنا زبردست کتب خانہ بلکہ اس کے صرف آخری حج کے حالات پر ایسی عظیم و بلند پایہ کتابیں لکھی جا چکی ہوں اور لکھی جا رہی ہوں؟

جس کے ایک ایک قول اور فعل بلکہ ایک ایک ادا، تاثر اور کیفیت کی تشریح و تفصیل میں ائمہ اسلام اور علمائے سلف نے اپنی عمریں صرف کی ہوں اور اس کے لیے اپنے سارے آرام و راحت کو ہمیشہ کے لیے تج دیا ہو؟

جس کی صداقت اور عظمت پر انسانوں کے اتنے بڑے گروہ کا ہمیشہ اتفاق و اجتماع رہا ہو؟

جس کا ذکر کروڑوں انسان دن میں پانچ مرتبہ ضرور کرتے ہوں، جس کی محبت انسانوں کی اتنی بڑی تعداد کے دل میں جاگزیں اور نقش ہو، جس کے لیے نعت و سلام کا اتنا بڑا ذخیرہ تیار ہو چکا ہو کہ اگر اس کو اکٹھا کیا جائے تو پوری لائبریری تیار ہو جائے؟

جس کے حالات و واقعات سے اتنی کثرت سے استنباط کیا گیا ہو اور اس کی روشنی میں پورا اسلامی قانون تیار کیا گیا ہو؟

جس نے زندگی کی ہر ضرورت کے لیے (خواہ وہ کیسی ہی نجی اور چھوٹی ہو) پوری وضاحت اور تفصیل کے ساتھ ہدایات دی ہوں، لشکروں کی روانگی، شاہان عالم کے نام خطوط اور بیرونی وفود سے ملاقاتوں سے لے کر نہانے دھونے، کھانے پینے اور طہارت واستنجا کے تمام معاملات میں جس نے یکساں طریقہ پر انسانوں کی اپنے قول و عمل سے رہنمائی کی ہو۔

جس کی دعائیں نہایت مکمل، جامع اور حیرت انگیز ہوں اور زبان حال سے خود کہتی ہوں کہ ایسی دعائیں کرنے والا اور انسانی ضروریات سے ایسی واقفیت رکھنے والا آپ صلی اللہ علیہ وسلم کے سوا کوئی اور نہیں ہوسکتا۔

غرض زندگی کا کوئی شعبہ ہو اور انسانوں کی کوئی ضرورت ہو، حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی تعلیم کا اعجاز ہر چیز سے نمایاں ہے اور اس کا ہر جزو آپ صلی اللہ علیہ وسلم کی حیاتِ طیبہ کا ایسا عنوان ہے جو حق و صداقت کی راہیں ہمارے سامنے کھول دیتا ہے اور شک و شبہ کی کوئی گنجائش باقی نہیں رہتی۔

سیرت کا یہ اعجاز صرف مسلمانوں کے لیے نہیں؛ دنیا کے تمام انسانوں کے لیے اور قیامت تک پیدا ہونے والی تمام نسلوں کے لیے ہے، یہ آفتاب کی طرح سب پر تاباں و درخشاں اور اس سے زیادہ عالم گیر اور نفع رساں ہے لیکن ان کے لیے جن کے دل پر مہر نہیں لگ چکی اور جو دل کی بینائی سے یکسر محروم نہیں، جن کے اندر فطرتِ انسانی کی کچھ نمود، انسانیت کی کچھ رمق اور شرافت اور احسان شناسی کا کچھ اثر اب بھی باقی ہے۔۔۔۔۔ ضرورت بس اس کی ہے کہ اس کا تھوڑا سا پرتو اپنے اندر پیدا کرنے کی کوشش کریں اور یہ یقین رکھیں کہ اسوۂ حسنہ کا ایک ہلکا سا عکس بلکہ اس کا ایک ذرہ ہماری تقدیر بدل دینے کے لیے کافی ہے، اخلاص اور تجربہ شرط ہے۔''

(انسانیت آج بھی اسی در کی محتاج ہے: ۱۹-۲۲)

R.N.I. No.
UPURD/2009/28748

Monthly
Payam-e-Arafat
Raebareli

Volume: 17 ⚜ September 2025 ⚜ Issue: 09

سید احمد شہید اکیڈمی کی پیشکش

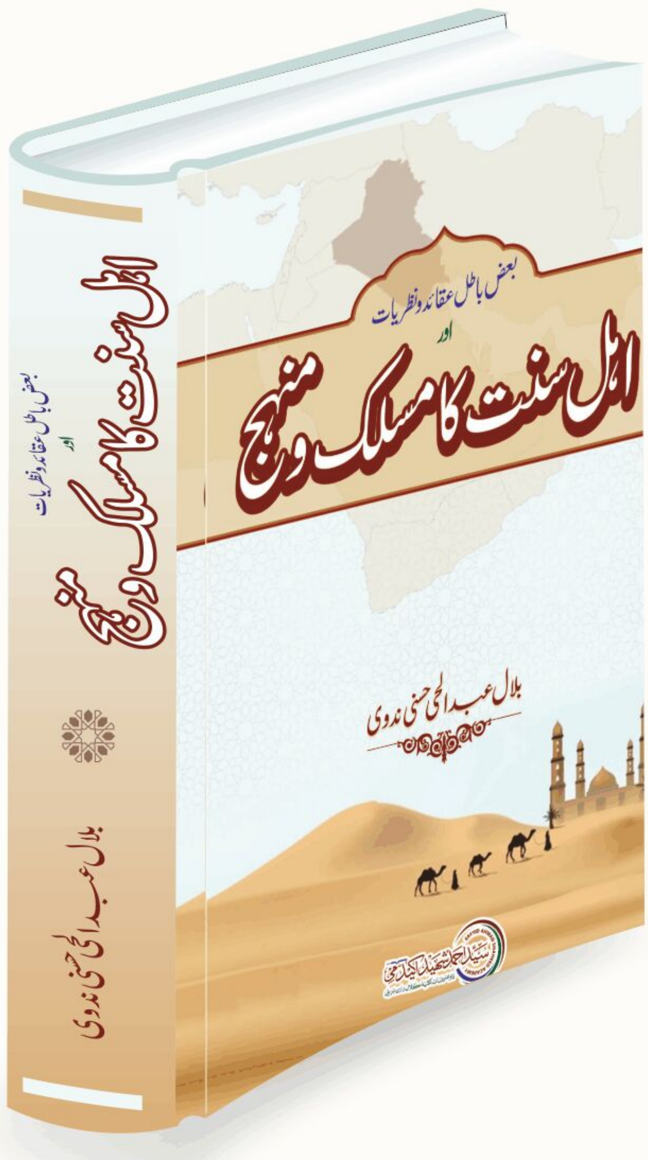

Editor: Bilal Abdul Hai Hasani Nadwi
MARKAZUL IMAM ABIL HASAN AL-NADWI
E-Mail: markazulimam@gmail.com - Dare Arafat, Takiya Kalan, Raebareli (U.P.) 229001 - Mobile: 9792646858
Printed & Published by: Mohammad Hasan Nadwi, On Behalf of Markazul Imam Abil Hasan Al-Nadwi.
Printed at S.A. Offset Printers, masjid ke Peeche, Phatak Abdullah Khan, Sabzi Mandi, Station Road, Raebareli (U.P.)